مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

تحفۂ بھٹکل

بھٹکل (کرناٹک) کے مختلف اسفار میں کی
گئیں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
مدظلہ، کی
متعدد تقاریر کا فکر انگیز

مجموعہ

شائع کردہ

طلبائے بھٹکل ندوۃ العلماء، لکھنؤ

نام کتاب ——— "تحفۂ بھٹکل"

کتابت ——— محمد احمد اعظمی ،

باہتمام

طلبۂ بھٹکل، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

قیمت ——— سولہ ۱۶ روپیہ

طباعت ——— ۱۹۸۹ء

●

ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ اسلامیہ، بھٹکل

المکتبۃ الندویۃ : دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فہرست عناوین

۱۶۵
۶۷۹۶

کچھ کتاب سے متعلق

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؕ

اما بعد!

جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر خوشنما باغات کے درمیان پہاڑی سلسلوں سے ٹیک لگائے قدیم و باوقار آبادی پر مشتمل ایک قصبہ ہے جسے عرف عام میں "بھٹکل" اور اس کی مسلم آبادی کو اہل نوائط کہا جاتا ہے۔

اس کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ ہے کہ سمندری راستہ سے مبلغین اسلام اور داعیان حق کے ابتدائی حجازی قافلے اس کے ساحل پر اترے اور انھوں نے اس کو اپنا مسکن اور مرکز بنایا یہی اسلام کے وہ مشعل بردار تھے جن سے اس اجنبی زمین میں توحید کا نغمہ پہلی بار فضاؤں میں گونجا اور یہیں سے انھوں نے اپنے مشن کا ہندوستان میں آغاز کیا اس وقت بھٹکل میں آباد مسلمان انہیں عرب بادیہ نشینوں اور اولوالعزم سفیران حق کے چشم و چراغ ہیں جو توحید کی امانت اپنے سینوں میں لیے ہوئے مغربی ساحلوں پر اترے تھے اس وقت سے لے کر اب تک اس آبادی کے لوگ اپنی قدیم سادگی منکسر المزاجی غیرت دینی حمیت اسلامی، بھائی چارگی و امن پسندی، اخلاق و تواضع اور مہمان نوازی کی اعلیٰ روایات کو لیے ہوئے باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔

اپنے آباء و اجداد کی طرح ان کا بھی محبوب مشغلہ اور ذریعہ معاش تجارت ہے جس سے ان کو ہند و بیرون ہند معاشی و اقتصادی دنیا میں اپنا ایک امتیازی مقام حاصل ہے آبادی کا اکثر حصّہ تعلیم یافتہ دینی یا عصری علوم سے آراستہ اور بزرگانِ دین اور اہل اللہ کا قدردان ہے ان سب سے بڑھ کر یہ کہ بھٹکل ابتدا ہی سے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کا مولد و مسکن رہا ہے اس کے علاوہ مشائخ وقت اور اہل اللہ کی توجہات و عنایات بھی برابر اس کے حصّہ میں رہی ہیں جس میں اس وقت سرِ فہرست مخدومی و معظّمی حضرت سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی ذات بابرکات ہے جن کی خصوصی عنایات ابتدا روز ہی سے بھٹکل کے حصّہ میں رہی ہیں جس کی ایک بڑی علامت بے پناہ مصروفیتوں اور معذوریوں کے باوجود اب تک آٹھ سے زائد بار مولانا مدظلہٗ کی متعدد موقعوں پر بھٹکل آمد ہے مولانا کا نہ صرف بھٹکل اور اہل بھٹکل بلکہ اس کے تمام تعلیمی و تربیتی اداروں سے سرپرستانہ تعلق ہے جامعہ اسلامیہ اور جامعۃ الصالحات کے آپ باقاعدہ سرپرست بھی ہیں اور رہنما بھی جامعہ کے تمام ارتقائی منازل نصاب و نظام اور اہم امور سے آپ کا ہمیشہ تعلق رہا ہے بقول خود حضرت مولانا کے کہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے میرا وہ ربط و تعلق ہے جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعد کسی تعلیمی ادارہ سے ہو سکتا ہے“۔

حضرت مولانا نے اپنے بھٹکل کے متعدد اسفار و دوروں کے موقع پر بعض اہم تقریریں کیں تھیں جن میں موجودہ حالات اور تقاضوں کے پیش نظر ہر مسلمان کے لئے پیغام عمل بھی تھا اور پیام فکر بھی نشان راہ اور نشان منزل بھی، ضرورت تھی کہ ان اہم تقاریر کے مجموعہ کو افادۂ عام کی خاطر منظرِ عام پر لایا جائے جس میں آپ نے

عوام و خواص اساتذہ و طلبہ سے مختلف اور الگ الگ موقعوں پر خطاب کیا تھا۔ طلباء بھٹکل مقیم ندوۃ العلماء نے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود اس عظیم بار کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی سعی کی، اور اللہ کے نام سے اس کی اشاعت کا نظم اپنی جمع پونجی سے کیا، اللہ نے ہم ضعیفوں اور کمزوروں کی لاج رکھی اور ہم اس قابل ہوئے کہ حضرت مولانا مدظلہ کا یہ عظیم تحفہ طلبائے بھٹکل کے توسط سے اہل بھٹکل کے لئے بالخصوص اور عام مسلمانوں کے لئے بالعموم پیغام عمل کی شکل میں پیش کرسکیں جس کے لئے ہم اسی ذات بے ہمتا کے رہین منت ہیں جس نے اپنے فضل سے ہم سے یہ خدمت لی۔

طلباء بھٹکل کی طرف سے اشاعتی کوششوں کی یہ تیسری کڑی ہے جو اس سے قبل حضرت مولانا ہی کی دو اہم کتابوں "بارہ دن ریاست میسور میں" اور "پاجا سراغ زندگی" کی شکل میں منظر عام پر آچکی ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں اپنے ان تمام حضرات و اکابر کے تہہ دل سے ممنون ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں ہماری سرپرستی فرمائی بالخصوص استاذ گرامی قدر مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس کتاب کے لئے پیش لفظ تحریر فرماکر ہماری ہمت افزائی فرمائی اس کے علاوہ اساتذہ گرامی مولانا عبد النور صاحب ندوی، مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی، مولانا عبد العزیز صاحب بھٹکلی ندوی وغیرہم کے بھی مشکور ہیں جنھوں نے اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائی اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔

امید ہے کہ سابقہ مطبوعہ کتب کی طرح ہماری یہ پیشکش بھی عند اللہ قبولیت

اور عند الناس مقبولیت سے نوازی جائے گی۔

"وما ذلک علی اللہ بعزیز"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از:
مولانا محمد رابع حسنی ندوی
صدر شعبۂ ادب عربی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بھٹکل ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ایک شاداب اور دلکش مقام ہے سمندر، پہاڑ، سبزہ اس کے فطری حسن کو بڑھاتے ہیں اور آبادی اسمیں رونق اور انس پیدا کرتی ہے، یہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے، یہ نوائط نسل کے لوگ ہیں اور یہ سلیقہ مندی اور ہنرمندی کی اچھی صلاحیت کے مالک ہیں، ان میں دنیادی نظم و نظام کی اہلیت کے ساتھ ساتھ اپنے دین و اخلاق کی فکر کا بھی خاصا جذبہ ہے، چنانچہ کاروبار و تجارت کے ساتھ دینداری بھی ان میں نمایاں نظر آتی ہے۔

دینی تعلیم کے لئے یہاں کے مسلمان بچے ہندوستان کے دیگر مسلمان بچوں کی طرح قریب و بعید میں واقع دینی مدرسوں میں جاتے تھے، لیکن یہاں کے دوراندیش لوگوں نے بھٹکل ہی میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے دینی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، اور اس کے لئے ایک جامع دینی نصاب کا فیصلہ کیا، اس طرح اس درسگاہ کا تعلق ندوۃ العلماء سے قائم ہوا، یہاں کے اولین مدرسین میں سب سے نمایاں نام مولانا عبدالحمید ندویؒ کا تھا، انھوں نے اس درسگاہ کے اولین فرزندوں کو تعلیم و تربیت دی ان کے شروع کئے ہوئے کام کو ان کے عزیز شاگرد

مولانا محی الدین منیری نے آگے بڑھایا اور درسگاہ کو وسعت دی اور اس کے معیار کو بلند کیا اس وقت سے یہ جامعہ برابر ترقی کر رہا ہے اور اس کے طلباء فارغ ہو کر مذہبی اور علمی زندگی کے مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہو رہے ہیں، مولانا منیری صاحب نے کچھ عرصہ بعد شہر کے اندر جامعۃ الصالحات بھی قائم کیا، اور اس طرح لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کیلئے علمی ترقی کا ذریعہ مہیا کیا۔

ندوۃ العلماء سے اس مدرسہ کے دیرینہ تعلق کی بناء پر ندوہ کے ذمہ دار نیز اساتذہ کی بھٹکل اور اس کی جامعہ میں آمد و رفت رہتی ہے ندوۃ کے ذمہ داروں میں اس کے ناظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے کئی بار یہاں کا سفر کیا اور اپنے تعلیمی مشوروں اور دینی مواعظ اور علمی تقریروں سے اہلِ علم اور عامۃ المسلمین کو بار بار مستفید فرمایا۔

مولانا مدظلہ کی وہ تقریریں جو طلباء اور علماء کے سامنے ہوتی تھیں ان سے اہلِ بھٹکل کو بڑا فیض حاصل ہوا۔ حضرت مولانا کی گہری واقفیت اور تدریس و فہم سے عملی وابستگی، اور ان کی دینی شخصیت نے ان کے فیض کو اور بھی قیمتی بنایا ان سے طلباء اور عوام نے بڑا فائدہ اٹھایا۔

یہ تقریریں اگرچہ بھٹکل کے محدود ماحول میں کی گئیں، لیکن ان کی افادیت مسلمانوں کے ہر اس ماحول کے لئے بھی ہے جو بھٹکل کے علمی دینی ماحول سے قریب تر اور مشابہ ہے، ان میں سماجی خوبیوں کی طرف رہنمائی اخلاقی صفات کی تلقین، دینی خصوصیات کے التزام اور تعلیمی میدان میں محنت و فکر کی طرف

توجہ کی تلقین ہے، اور یہ وہ باتیں ہیں جن کی ضرورت مسلمانوں کے ہر خاص و عام طبقہ کو ہے۔

چنانچہ ندوۃ العلماء کے بھٹکلی طلباء نے ضرورت محسوس کی کہ وہ اس سوغات کو عام کریں، اور بھٹکل سے باہر لوگوں کو بھی یہ ارمغان پہونچائیں اس کے لئے بڑا ذریعہ ان تقریروں کو ضبط و تحریر میں لانا، اور کتابی صورت میں پیش کرنا تھا، لہذا انھوں نے مولانا مدظلہ کی تقریروں کا پہلا مجموعہ "پاجا سراغِ زندگی" شائع کیا، اور مولانا مدظلہ کی بعض دیگر تحریریں شائع کیں، اور اب ان کی مزید اور اہم تقاریر کا مجموعہ شائع کر رہے ہیں۔

اس مجموعہ میں وہ تمام ضروری باتیں آگئی ہیں، جو ایک اصلاح پسند مسلمان اور ایک بامقصد طالب علم اور ایک سچے اور اچھے انسان کی زندگی کے لئے رہنما اصولوں کا درجہ رکھتی ہیں، امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے یہ سب حضرات فائدہ اٹھائیں گے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی دینی اور علمی واقفیت اور دعوتی و اصلاحی تجربہ اور ادبی و فکری صلاحیت میں نہ صرف اس تختی برِاعظم میں شہرت رکھتے ہیں، بلکہ عرب و عجم سب جگہ انکا بلند مقام تسلیم کیا جاتا ہے، ان کی بے شمار علمی، دعوتی اور تحقیقی تصنیفات ہیں اور بے شمار مسلم اداروں میں رکن یا ذمہ دار ہیں، ان میں ندوۃ العلماء کا مشہور تعلیمی و تربیتی ادارہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جس کے عرصہ سے حضرت مولانا سربراہ ہیں اور جس سے مولانا مدظلہ کے زیر سرکردگی اہل علم

کی متعدد نسلیں نکل کر ملک وملّت کی تعمیری خدمت میں مصروف ہیں، مولانا مدظلہٗ کی سرپرستی وتوجہ سے جو کل مسلم ادارے مستفید ہو رہے ہیں ان میں بھٹکل کا جامعہ اسلامیہ بھی ہے، جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داروں اور فرزندوں کا مولانا مدظلہٗ سے خصوصی ربط بھی ہے، یہ مجموعہ تقریر جو آپ کے سامنے آرہا ہے اسی تعلق وقدردانی کی علامت ہے جو اہل بھٹکل مولانا مدظلہ سے رکھتے ہیں ہم دعا گو ہیں کہ یہ کتاب جس اعلیٰ مقصد سے شائع کی جارہی ہے اس کے حصول میں پوری طرح سودمند ثابت ہو اور قلوب ونفوس کی درستگی اور ترقی کا ذریعہ ہو۔

۳؍ جنوری ۱۹۸۳ء کو

جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ آباد میں طلبہ جامعہ سے

حضرت مولانا دامت برکاتہم

کا

ایک دل دوز اور مؤثر خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ أجمعین ہ

حضرات، اساتذہ، حاضرین مجلس عزیز بھائیو!

جامعہ اسلامیہ میرے لئے کوئی نیا ادارہ نہیں ہے۔ میں پہلی مرتبہ یہاں نہیں آیا۔ شروع سے اس کے مشوروں میں شریک رہا ہوں اور پہلا سفر بھی اسی سلسلہ میں ہوا تھا۔ ہمارے عزیز اور ہمارے دوست محی الدین صاحب منیری یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے میں شروع سے اس کام میں ذہنی طور پر قلبی طور پر شریک رہا۔ اور اس دوسری مرتبہ کی حاضری میں بھی اس کے معائنہ سے اور آپ لوگوں کی ملاقات سے محروم نہیں رہا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ یہ کوئی وعظ کا جلسہ نہیں ہے۔ مجھے جب سے آیا ہوں کئی بار اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرنے کا موقعہ ملا اور ایک دوبار شاید اور موقعہ ملے اُس وقت اور باتیں بھی ہونگی لیکن اس وقت عام باتیں کہی جائیں گی۔ یہاں مجھ سے یہ امید کی جاتی ہے، بجا طور پر کہ میں اس وقت اپنے اس جامعہ کے مدرسین اساتذہ اور یہاں کے طلبہ سے کچھ کہوں اور میرے لئے یہ بات آسان بھی ہے اور خوشگوار بھی اس لئے کہ میں خود بھی ایک مدرسہ کا پڑھا ہوا ہوں اور ایک مدرسہ میں عرصہ تک میں نے پڑھایا ہے اور میری زندگی ایک مدرّس کی زندگی ہے اس لئے مجھے آپ لوگوں سے بات کرنے میں کوئی تکلف نہ کرنا پڑے گا۔ کوئی بہت دور کی کوڑی لانی نہیں پڑے گی۔ بہت زیادہ دماغ پر زور دینا نہیں پڑے گا۔

امیدوں کا مرکز بھائیو! تم لوگ بہت سی امیدوں کا مرکز ہو اور یہاں کے مسلمانوں نے اور تمہارے سرپرستوں نے اور اس جامعہ کے کارکنوں اور اس جامعہ کے سرپرستوں نے تم سے بہت سی امیدیں قائم کی ہیں اور ایسا کرنا بھی چاہئے تھا اس لئے کہ مسلمان خواہ کچھ بھی ہو جائیں

بہت بڑے تاجر، بہت بڑے کاروباری، بہت بڑے دولت مند، سرمایہ دار اور حکومت میں شریک ہو جائیں اور ملک کی ذمہ داری میں بھی ان کا بڑا حصہ ہو جائے جب بھی مسلمانوں کو بہرحال دینی رہنماؤں کی ضرورت ہوگی، حرام حلال، کفر و ایمان جائز ناجائز اور دین اور لادینیت کے درمیان لکیر کھینچنے والوں کی ضرورت ہوگی جو لکیر کھینچ کر بتا سکیں کہ یہ کفر ہے یہ ایمان ہے۔ یہ حلال ہے یہ حرام ہے یہ دین ہے یہ لادینیت ہے۔ یہ اسلام ہے یہ جاہلیت ہے۔ مسلمان کسی دور میں اور کسی ملک میں کسی حال میں بھی ایسی جماعت سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ تم ان لوگوں کی جگہ لوگے جن کا فرض رہنمائی ہے۔ مسلمانوں کی رہنمائی کا لفظ بہت بڑا ہے۔ لیکن بہرحال ہر جماعت کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی گلہ جانوروں کا ہو اور کوئی گروہ انسانوں کا ہو رہنمائی کے بغیر اپنا سفر طے نہیں کر سکتا۔ اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ نہیں سکتا اور کسی نظام میں باقی نہیں رہ سکتا جس طریقے سے ہماری غذائی ضروریات ہیں، ہماری شہری ضروریات ہیں، تمدنی ضروریات ہیں اور سیاسی ضروریات ہیں۔ قبلہ نما کی ضرورت، واقعہ یہ ہے کہ سب ضروریات سے زیادہ ہماری بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ہمیں کوئی یہ بتانے والا ہو کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں یا نہیں، "کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است" ایسا تو نہیں ہے کہ ہم پُشت بقبلہ یعنی ہماری پیٹھ قبلہ کی طرف ہو اور ہمارا رخ بت خانہ کی طرف ہو، یا معاذ اللہ کلیسا کی طرف ہو یا بینک کی طرف ہو کہ یہ بھی ایک کلیسا ہے اس زمانے کا۔ یا کسی کارخانہ یا فیکٹری کی طرف ہو۔ آج کل کلیساؤں میں وہ رونق نہیں ہے اور مندروں میں وہ چہل پہل نہیں ہے جو بینکوں اور کاروباری مراکز میں ہے۔ یہ بھی زمانہ کی بہت بڑی پرستش گاہ بن گئی ہے۔ کوئی جماعت ایسی ہونی چاہیے جو راے اور

حکمت کے ساتھ بتائے۔ مہربانی اور محبت کے ساتھ بتائے اور پھر اگر ضرورت ہو تو دامن بھی کھینچ لے۔ دامن پکڑے اور گریبان بھی اگر پکڑنے کی ضرورت ہو تو جس طریقے سے باپ بیٹے کا گریبان پکڑتا ہے اور ایک پڑھا لکھا، ایک جاہل بھی گریبان پکڑتا ہے ایک بھائی دوسرے بھائی کا گریبان تھام لیتا ہے۔ اسی طریقے سے ایک ایسی جماعت کو سامنے آجانا چاہئے۔ راستہ روک کر کھڑا ہونا چاہئے۔ کہ یہ راستہ خطرناک ہے یہ اللہ سے اور اس کے رسول سے دور کرتا ہے۔ یہ ہلاکتِ ابدی میں گرا دے گا اور یہ غار کے اندر ڈال دے گا۔ تو اس کے لئے ضرورت ہے مدارس کی اور مدارس کا اصل فائدہ یہی ہے کہ ایسے لوگ تیار ہوں جو مسلمانوں کی دینی رہنمائی کر سکیں اور وہ گویا جیسے قبلہ نما ہوتا ہے اور قبلہ نما ایک بے نیاز چیز ہے آندھی چل رہی ہو، یا پانی برس رہا ہو، گاڑی کسی رخ پر جا رہی ہو، آدمی کا منہ کسی طرف ہو، لیکن قبلہ نما یا قطب نما کہہ لیجئے۔ وہ قطب نما، قطب تارہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے، وہ نہ کوئی رشوت قبول کرتا ہے اور نہ کسی کی رعایت کرتا ہے اور نہ کسی سے متاثر ہوتا ہے اور نہ اپنے کام سے تھکتا ہے اور اس سے کسی اور کام کی امید بھی نہیں کرنی چاہئے۔ زیادتی ہے اس کے ساتھ بھی اپنے ساتھ بھی نہ آپ اس سے کہیں راستہ پوچھیں۔ یا جیسے ٹرافک کنٹرول کرنے والا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ کسی کو پانی پلانے کے لئے نہ جائے تو کوئی گناہ نہیں وہ کسی کو راستہ بتانے کے لئے کچھ دور آگے نہ چلے تو کوئی قصور نہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہے۔ بس ٹرافک کنٹرول کرتا رہے۔ دائیں بائیں ہاتھ اِدھر کرے اُدھر کرے۔ اگر وہ اپنا کام چھوڑ دے گا تو مسافر کے بھٹک جانے سے زیادہ نقصان پہنچے گا۔ راستہ بھول جائے تو مسافر پھر

واپس آجائے گا۔ لیکن یہاں پر کاریں ٹکرا جائیں گی یہاں ٹرک اور جیپ میں اور کار میں ٹکر ہو جائے گی اور معلوم نہیں کتنے آدمی اُسی وقت، اُسی جگہ جان توڑ دیں گے،

مسلماں کا کام یہ ہے کہ وہ جگہ پر اٹل بے نیاز۔ ہر دو جہاں سے غنی اور دل بے نیاز

بس ایک ہی کام ہے اس کا کہ یہ راستہ کعبہ جاتا ہے، بیت اللہ کو جاتا ہے اور یہ راستہ ترکستان کو جاتا ہے اسی کے لئے مدارس قائم کئے گئے ہیں۔

عربی زبان کی اہمیت اور چونکہ یہ بات خاص طرح کے علوم اور ایک خاص زبان عربی کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس لئے عربی پر زور دیا گیا اور ان علوم کو نصاب میں رکھا گیا۔ ورنہ عربی ہماری زبان نہیں ہے اور ہم ہندوستانی مسلمان بہت بڑے نرغہ میں ہیں۔ زبانوں کے ایک ایسے چکر میں کہ شاید ہی دنیا کی کوئی قوم اس میں مبتلا ہو۔ یعنی ہم کو علاقائی زبان پڑھنی ہے اور مادری زبان پڑھنی ہے اور آپ کی مادری زبان ناٹکلی ہے اور آپ کی علاقائی زبان کنڑی ہے اور آپ کی مذہبی زبان عربی ہے اور آپ کی ہندوستان کی علمی زبان اور اخبارات اور رسائل کی زبان تصنیف اور تالیف کی زبان اردو ہے۔ فارسی کا میں نام نہیں لیتا۔ ذرا سا اب اس کا مسئلہ دور ہو گیا ہے یہ چار پانچ زبانیں ہیں۔ ایسی حالت میں عربی زبان پر زور دینا اور عربی کو ایسا سمجھنا جیسا کہ اہل زبان سمجھتے ہیں تاکہ آپ قرآن مجید اور کتاب و سنت کی چیزوں کو آپ اچھی طرح گہرائی سے سمجھ سکیں۔ اس لئے یہ مشکل کام کام اختیار کیا گیا کہ آپ کو جو کام کرنا ہے وہ اس کے بغیر ہو نہیں سکتا تو اس لئے عربی زبان پر زور دینے کی ضرورت ہے اور عربی زبان کے لئے صرف و نحو کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے آپ کو محنت کی ضرورت ہے اور عربی ہمارے لئے کوئی نئی یا نامانوس

زبان نہیں۔ عربی زبان ہمارے ہندوستان میں بہت بڑی زبان رہی ہے۔ علمی زبان اور تصنیفی زبان رہی ہے۔ خود آپ کے علاقے میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی کتابیں یہاں اہل علم کے پاس ہیں۔ ہمارے پرانے دوست اور ہم سبق خواجہ بہاؤالدین صاحب اکرمی ندوی، ان کے یہاں اچھا خاصا ذخیرہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوناور اور یہ جو ساحل کا علاقہ تھا اس میں بڑے بڑے چوٹی کے علماء پیدا ہوئے اور بڑی عالمانہ ہی نہیں بلکہ تحقیقانہ کتابیں لکھی ہیں کہ اہلِ عرب بھی ان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں اگر وہ چھپیں ان لوگوں نے محنت کی تو ان کو زبان پر ایسا عبور ہو گیا جیسے زبان والوں کو ہوتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو زبان کے اخذ کرنے میں بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ آپ کی زبان بہت نرم ہے اور اردو آپ بہت جلد سیکھ لیتے ہیں اور آپ کی اردو بولنے میں وہ بات نہیں ہے جو ہندوستان کے بعض علاقوں کے رہنے والوں کی زبان میں ۔ دو لفظ بولتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اہل زبان نہیں ہیں۔ یہ بات آپ میں نہیں ہے۔ آپ کی زبان میں لوچ ہے۔ کیوں ہے؟ یہ میں نہیں جانتا۔ ماہر لسانیات جانیں۔ آپ کی زبان میں لوچ ہے، ایسے ہی آپ کو عربی سے بڑی مناسبت ہے اور جیسا کہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ عربی النسل ہیں تو اس لئے بھی آپ کے عربی کے اخذ کر لینے میں اور عربی زبان میں کمال پیدا کر لینے میں کچھ دقت نہیں ہے۔

منزل آپ ہیں | بھائی! بڑی امیدوں اور توقعات کے ساتھ یہ جامعہ قائم کیا گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ آج دو تین سال کے بعد میں آیا ہوں تو مجھے جو امید تھی کہ جہاں اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا وہاں بڑی بڑی اگر نہیں تو دو چار عمارتیں

ضرور کھڑی ہوں گی۔ بھٹکل والے جہاں جائیے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بعض کاروبار بالکل بھٹکلی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ کالی کٹ جائیے تو ان کے ہوٹل اور کپڑے کی دوکانیں، کولمبو جائیے تو وہاں، مدراس جائیے تو وہاں، کلکتہ جائیے تو وہاں، ایسی حالت میں تو ان کو واقعی جامعہ بنا دینا چاہئے تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہاں کیا رکاوٹ ہے۔ اس میں کیا جامعہ کے ذمہ داروں کی طرف سے کچھ سستی اور کمزوری ہے۔ یہ تو مجھے کہتے ہوئے ذرا تامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ منیری صاحب کی مستعدی تو میں جانتا ہوں اور ڈاکٹر صاحب بڑے مخلص آدمی ہیں۔ یا یہ کہ ان لوگوں کو ذوق نہیں ہے۔ بہر حال جو وجہ بھی ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہوا کہ اس وقت تک بھی جامعہ کو جس منزل پر دیکھنا چاہتا تھا وہ منزل ابھی دور معلوم ہوتی ہے۔ وہ منزل دور ہو، لیکن وہ منزل آپ ہیں۔ اگر آپ محنت سے پڑھیں گے اور خاص طور پر عربی زبان اور عربی اور دینی علوم میں اگر آپ یہاں رہ کر پختگی پیدا کریں گے تو پھر جامعہ، چاہے اس کی بڑی بڑی عمارتیں نہ بن سکیں اور وہ کوئی بڑی شہرت حاصل نہ کرے اور اس کا کوئی وسیع رقبہ نہ ہو اور جامعہ کی شان نظر نہ آتی ہو تو کچھ حرج نہیں۔ آپ جامعہ ہیں۔ اگر آپ صرف و نحو میں اچھے ہیں۔ آپ کی استعداد پختہ ہو رہی ہے تو گویا جامعہ کامیاب ہے اور جامعہ کا کام شروع ہو گیا۔

چھوٹے مدارس کی اہمیت ایک بات آپ کو یہ بھی بتاتا ہوں تجربہ کی کہ اب عربی مدرسے جو ہیں بڑے بڑے، ان میں ایک بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا وہ یہ ہے کہ اب طالب علموں میں وہ استعداد پیدا نہیں ہوتی۔ بہت خامی رہتی ہے اس کی بڑی وجہ جو تجربہ کار لوگ ہیں، یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے چھوٹے مدرسے سے طالب علم آتے

تھے اور اچھے ہوتے تھے اس لئے کہ تھوڑی تعداد میں ہوتے تھے اور ان پر ان کے استادوں کی ساری توجہ بالکل جم جاتی تھی وہاں انتشار نہیں ہوتا تھا جیسے شہروں میں انتشار رہے سینما ہیں۔ تفریح گاہیں ہیں پروگرام ہیں اور مختلف قسم کے ورائٹیس ہیں تو وہ چیزیں وہاں نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کی سب توجہ پڑھنے کی طرف ہوتی تھی اور انھیں سے طاقت ملتی تھی۔ خون ملتا تھا بڑے مدارس کو۔ یہی دیوبند کا بھی معاملہ ہے یہی ندوہ کا بھی معاملہ ہے۔ اب چھوٹے مدارس میں خود کمزوری آگئی ہے اور یہ چھوٹا مدرسہ نہیں ہے جامعہ ہے یعنی میں کہتا ہوں کہ جو قصبات کے مدارس ہیں ان میں اب طالب علم ٹکتے نہیں ان کا جی نہیں لگتا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شہر بھیجو اپنے والدین سے کہتے ہیں اور ضد کرتے ہیں کہ ندوہ بھیجو اس لئے کہ یہ فخر کی بات سمجھی جاتی ہے۔ بڑے بڑے مشہور لوگوں کے ساتھ ندوی لکھا جاتا ہے اور پھر وہ جو طالب علم آتے ہیں قصہ بیان کرتے ہیں وہاں کے۔ کچھ مبالغہ کے ساتھ اور کچھ مرعوب کرنے کے لئے۔ ایسی عمدہ عمارتیں ہیں۔ اتنا بڑا کتب خانہ ہے اور بڑے بڑے لوگ وہاں آتے ہیں اور وہاں بڑا جی لگتا ہے اور بڑی شان معلوم ہوتی ہے وہ کچھ اپنی شان بڑھانے کے لئے کچھ شان دکھلاتے ہیں، تو یہاں کے جو طالب علم ہیں، بہت سے مدرسے ہیں سینکڑوں کی تعداد میں مدرسے ہیں۔ ہندوستان میں جال پھیلا ہوا ہے اب وہاں مسئلہ یہ بن گیا ہے کہ وہاں جتنے استاد اتنے طالب علم اور بعض مدرسوں کا تو معلوم ہوا ہے کہ استاد زیادہ اور طالب علم کم اور جو ان سے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ لڑکے یہاں رکتے ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ندوہ میں کیوں نہ پڑھیں۔ ہم دیوبند میں کیوں نہ پڑھیں۔ اس لئے کہ جب واپس آئیں گے تو لوگ پوچھیں گے کہ "آپ کہاں پڑھتے ہیں" ؟ وہ کہیں گے کہ ندوہ میں پڑھتے ہیں تو ایک فخر محسوس ہوتا ہے۔ یہ غلط ذہنیت ہے۔ آپ لوگ یہاں دل لگا کر پڑھئے اور اس کے بعد جب آپ کے اساتذہ مناسب سمجھیں تو آپ دیوبند ندوہ جائیے،

مظاہر العلوم جائیے کسی مدرسے میں جائیے تو وہاں آپ ہی چمکیں گے۔ یہ آپ کو بتا دیتا ہوں میں کہ اگر آپ یہاں اچھی طرح پڑھ کر جائیں گے دل لگا کر پڑھیں گے۔ صرف و نحو آپ کی اچھی ہوگی اور یہی کتابیں جو آپ کے نصاب میں ہیں، یہ پڑھ کر آپ وہاں جائیں گے تو آپ ہی آپ ہوں گے وہاں بس۔ باقی جو وہاں شروع سے پڑھ رہے ہیں وہ آپ کے سامنے آپ سے آنکھیں نہیں ملا سکیں گے اس لئے کہ وہاں ساٹھ ساٹھ طالب علم کو ایک استاد لے کر بیٹھتا ہے۔ وہ تو پہچانتا بھی نہیں۔ چھ چھ مہینے گذر جاتے ہیں۔ اپنے شاگردوں کو پہچانتا نہیں۔ دیوبند میں تو اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ جلسہ ہوتا ہے درجہ نہیں ہوتا۔ میں بعض مرتبہ گذرا تو استاد صاحب تقریر کر رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا یہ ایک چھوٹا سا جلسہ تھا سیرت کا اور اس میں کوئی صاحب وعظ کہہ رہے ہیں اور باقی رہے طالب علم کچھ ان کے پلّے پڑ رہا ہے یا نہیں اللہ بہتر جانتا ہے تو آپ لوگوں کے لئے پہلی بات تو یہ ہے اور سب سے زیادہ آپ کے لئے کام کی اور ضروری کہ آپ محنت کیجئے اور سمجھئے کہ یہیں آپ بنیں گے کہیں اور کوئی جگہ آپ کو بنانے والی نہیں آپ کو بنانے والی جگہ یہی ہے۔ استادوں کو پکڑ لیجئے اور ان سے خارج وقت میں بھی، یعنی مدرسے سے علٰحدہ جو اوقات ہیں، ان میں بھی آپ ان سے پڑھئے ان کے گھر جائیے

علم حاصل کیا جانا چاہئے اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ بھئی دودھ دوہا جاتا ہے، گائے دُودھ دوہ کر نہیں دیتی تو استاد درخت کی طرح ہے۔ درخت کا پھل توڑا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ آدمی اس کے نیچے لیٹے منہ کھول کر منہ پھیلا کر اور کہے کہ ٹھیک نشانہ باندھ ناریل تو میں کہتا کہ اس سے چوٹ لگ جائے گی خدا بچائے۔ لیکن کھجور۔ کوئی ایسی ہو تو چوٹ نہیں لگے گی۔ ایک افیونی لیٹا ہوا تھا۔ کھجور کے درخت کے نیچے اور منہ کھولے ہوئے تھا۔ کسی نے پوچھا

منہ کیوں کھولے ہوئے ہے بھئی؟ اس نے کہا کہ ممکن ہے ادھر اُدھر کہیں کھجور گر جائے۔ اور مجھے اٹھانا نہ پڑے اور اٹھ کر کے اس کو اٹھانا پڑے تو تکلیف ہوگی تو میں پہلے سے منہ کھولے ہوئے ہوں، سیدھا منہ میں گرے۔ کوئی اس طرح مدرسوں میں نہیں ہوتا کہ آپ منہ کھول کرکے مدرسوں میں بیٹھے رہیں۔ نہیں! آپ کو استادوں کو بچہ نا چاہئے مجبوراً ان سے ایسا تعلق پیدا کرنا چاہئے یا ان کے پاس جانا چاہئے۔ اُن کی خدمت کرنی چاہئے۔ ان کی نگاہ اور ان کا دل اپنی طرف متوجّہ کرنی چاہئے۔ ایک بات تو یہ ہے، میں آپ سے کہتا ہوں۔ دس باتوں کی بات، پچاس باتوں کی بات یہ ہے کہ محنت سے پڑھئے اور سمجھئے۔ یہیں سب کچھ ملے گا آپکو۔ کچھ ابھی سے خواب نہ دیکھئے۔

اساتذہ سے کچھ باتیں ندوہ کے اور کسی اور مدرسے کے اور استادوں سے بھی کہنا میرا کچھ نامناسب نہ ہوگا یہ آپ کے استاد ہیں مگر ہمارے یہاں کے طالب علم رہ چکے ہیں۔ خاص طور پر جو لوگ آپ کو عربی پڑھاتے ہیں اور دوسرے کہ ہم بھی ان کے ہم پیشہ ہیں۔ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اور ہماری زندگی پڑھانے ہی سے شروع ہوئی۔ اصل میں تو ہم مدرّس تھے۔ اب لوگ کچھ اور سمجھنے لگے اور معلوم نہیں کیا کیا لکھتے ہیں مگر اصل میں تو ہم مدرّس ہیں اور جو کچھ آیا پڑھانے سے آیا۔ ہماری زندگی جو کچھ بنی پڑھانے سے بنی۔ دو حرف جو کچھ آئے پڑھانے سے۔ پڑھا تو تھا۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہم نے بہت محنت سے پڑھا تھا۔ محنت بھی کی تھی بعض بعض چیزوں پر۔ لیکن اصل میں ہم کو جو کچھ فائدہ ہوا پڑھانے سے ہوا۔ پڑھایا ہم نے معلوم نہیں کتنا، لیکن اس کے لئے پڑھا بہت۔ پڑھانے میں ہم نے بہت پڑھا اب میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ مجھے عربی کا مقرر سمجھا جاتا ہے، واقعی میں تقریر کرتا ہوں اور عرب میں بھی کرتا ہوں۔ لیکن آپ کو شاید تعجب ہو۔ مجھے کہنا تو نہیں چاہئے کہ آدمی خود

اپنی نظر میں حقیر ہو جاتا ہے۔ مگر کچھ کہنے میں حرج نہیں شاید کچھ فائدہ ہو کہ میری عربی تقریر پیدا ہوئی درجۂ اول میں۔ جب میں درجۂ اول میں کہانیاں پڑھایا کرتا تھا تو مجھے خیال ہوا کہ میں ان سے کہانی کہوں اور دوسری کہانی کہوں۔ مجھے اس کہانی کے لئے بہت آسان زبان استعمال کرنی پڑتی تھی اور بہت پھیلا کر کے کہنا پڑتا تھا۔ اس لئے کہ چھوٹی عمر کے لڑکے تھے قاعدہ ہے کہ جب بچہ کہانی کہتا ہے تو کہتا ہے۔ "پھر یوں ہوا پھر وہ ہوا" اور بہت سی باتیں زائد کہتا ہے۔ جن کا کہانی سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ امّاں نے یوں کہا اور بہن نے یوں کہا اور پھر ابّا نے یوں کہا" اور یوں طول دیتا ہے۔ یہ بچوں کی فطرت ہے۔ اور ہم نے بھی اس طرح سے کہانی شروع کی تو اس سے مشق ہونی شروع ہوئی۔ اور ہماری مشق جو شروع ہوئی وہ کہیں مصر اور شام جاکر نہیں ہوئی۔ کوئی یہ سمجھے کہ وہاں جب گئے تو مشق شروع ہو گئی ہماری مشق تو درجۂ اول درجۂ دوم میں ہوئی ہم نے پیغمبروں کے قصے کہنے شروع کئے اور اسی سے یہ قصص النبیّین کتاب کا خیال پیدا ہوا اور وہ کتاب تیار ہوئی شیخ چلّی کے قصے ہم نے کہنے شروع کئے اب شیخ چلّی کہاں عربی میں ہوتا ہے اور شیخ چلّی اور چیز، اور ان کے شیخ چلّی اور۔ وہ شیخ چلّی کا قصہ کہ اس نے گلاۓ خریدی اور کیا پھر ایک مٹکا خریدا اور اس کے بعد مارا ڈنڈا اور وہ ٹوٹ گیا اور یہ سارے قصے شیخ چلّی وغیرہ کے گڑھے اور ان کو سنانے شروع کئے اور اس سے ہم کو بہت فائدہ ہوا۔

نمونہ پیش کریں استادوں سے تو یہ کہنا ہے کہ ایک تو استعداد پیدا کیجئے۔ آپ کا سب سے بڑا کام اور آپ کا بہت بڑا وظیفہ یہ ہے کہ آپ اپنے طلبہ کی صرف و نحو درست کرائیں۔ آج سارے مدارس میں اور سارے ہندوستان میں استعداد میں کمی اور کمزوری ہے جس میں کوئی شک نہیں کہنے کی بات نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ابھی سے ان میں

دینی ذوق پیدا کریں۔ دینی ذوق کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان کو تہجد پڑھائیں۔ اگر آپ پڑھائیں تو میں آپ کو روکوں گا کہ ابھی ان بچوں کو معاف کیجئے، مہربانی کیجئے۔ ابھی ان کے تہجد پڑھنے کا زمانہ نہیں آیا۔ ان کو سونا چاہئے چھ گھنٹے ان کے لئے ضروری ہے بلکہ سات آٹھ گھنٹے ان کے لئے سونا ضروری ہے۔ ذوق کا مطلب یہ ہے کہ دین ان کو اچھا لگنے لگے۔ دین کی عزت ان کے دل میں پیدا ہو جائے اور دین کی محبت پیدا ہو جائے۔ اور اہل دین ان کو بھلے لگنے لگیں۔ دینی شعائر جو ہیں ان کو کوئی حقارت محسوس نہ ہو بلکہ ان میں ان کی عزت اور عظمت محسوس ہو۔ اتنی بات اگر آپ نے کر دی، انبیاء علیہم السلام کے قصے، پیغمبروں کے قصے ان کے کانوں میں پڑتے رہیں اور اولیاء اللہ کے حالات ان کے کانوں میں پڑتے رہیں تو پھر انشاءاللہ یہ چاہے کتنی مغربی تعلیم حاصل کرلیں اور چاہے یورپ اور امریکہ چلے جائیں مگر وہ محبت جو ان کے دل میں بیٹھ گئی ہے وہ کبھی نکلے گی نہیں یعنی دیکھیں کہ نماز کے لئے آپ کتنا اہتمام کرتے ہیں۔ آپ ان سے نہ کہئے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ اظہار کیجئے یعنی ان کے سامنے نمونہ ایسا لائیے کہ جب اذاں ہو جاتی ہے آپ کا کسی کام میں جی نہیں لگتا اور نماز کا اہتمام۔ پھر آپ یہاں جتنی دیر رہئے معلوم ہو۔ ان لوگوں کو محسوس ہو کہ آپ ہر جگہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور آپ کے ذہن میں ہر وقت خدا کا خیال اور فکر رہتی ہے۔ اس طریقے سے گفتگو میں ہر چیز میں آپ کا نمونہ ان کے سامنے ایسا آنا چاہئے کہ ان کے دل میں اگر عظمت قائم ہو گئی بیٹھ گئی دین کی تو یہ اگر الحاد کے دور سے بھی گذریں گے تو انشاءاللہ بچ جائیں گے۔ ایک زمانہ میں میں نے ہندوستان کے چوٹی کے علماء ادیبوں اور مفکروں کو جو اس زمانے میں تھے، ذہن میں تھے ان کو خط لکھا کہ آپ سب لوگ یہ لکھئے کہ کس کتاب سے آپ کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ چنانچہ بڑے اونچے اونچے لوگوں نے مضامین لکھے۔ ہر طبقہ کے بہت ممتاز لوگوں نے مضامین لکھے اور اس زمانہ میں الندوہ کا ایڈیٹر تھا۔ میں اور مولانا

عبدالسلام صاحب قدوائی ہم لوگوں نے مضامین شائع کئے پھر اس کے بعد مولانا عمران خان صاحب نے اس کو ایک مجموعہ میں شائع کر دیا "اہلِ علم کی محسن کتابیں" کبھی خدا موقع لائے اور آپ لوگوں کو پڑھنے کا بھی شوق ہو اور پڑھنے کی قابلیت ہو، پڑھئے گا اس کو۔ بہت کام کی چیز ہے تو اس میں میاں شبّیر احمد صاحب ابھی ان کا انتقال ہوا ہے پاکستان میں۔ پاکستان کے ترکی میں سفیر تھے۔ بڑے ادیب "ہمایوں" کے اڈیٹر تھے اور سرپرست اور پاکستان کے ادبی حلقوں میں بہت اونچا مقام تھا ان کا ان کو بھی لکھا تو انھوں نے لکھا کہ مجھ پر بڑے بڑے شدید حملے ہوئے الحاد اور لادینیت کے اور فلسفہ کے اور بعض مرتبہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایمان کی چنگاری بجھ جائے گی اور ایمان کا شعلہ گُل ہو جائے گا اور شاید ہو بھی گیا۔ لیکن جب مجھ پر کوئی نرغہ ہوتا تھا یا سخت حملہ ہوتا تھا تو حضرت عمرؓ کی شخصیت میرے سامنے آکھڑی ہوتی تھی جس سے میں الفاروق کے ذریعہ سے متعارف ہوا تھا الفاروقؓ پڑھئے علامہ شبلی کی ان کو انھوں نے اس طرح پیش کیا ہے۔ بس وہ میرے دل میں تصویر بن گئی اور جب مجھ پر الحاد کا اور روشن خیالی کا حملہ ہوتا تھا تو میں کہتا کہ ایسا آدمی باطل نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ کی شخصیت ہے۔ اور میں اس کی وجہ سے بچ جاتا تھا۔ ایسے ہی آپ لوگ ان بچوں کے دلوں میں کسی شخصیت کی محبت پیدا کر دیجئے۔ میں بہت خوش ہوا کہ میں نے دیکھا کہ سیرت پر بچوں نے بڑے سلیقہ کی تقریریں کیں۔ اردو میں انگریزی میں۔ مجھے البتہ اس کی شکایت ہے اپنے عربی کے اساتذہ سے کہ عربی سے جتنا تناسب ہونا چاہئے تھا وہ کم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنا کوٹا اس میں پورا نہیں رکھا کہ یہاں جامعہ اسلامیہ میں دو یا تین انگریزی کی تقریریں تھیں تو دو تین عربی کی ہونی چاہئے تھی بلکہ زیادہ ہونی چاہئے تھی۔ اب معلوم نہیں کیا وجہ اس کی کہ انگریزی زیادہ آسان سمجھی جاتی ہے اور اس کے اساتذہ جلدی سے اس کی مشق کرا دیتے ہیں۔ یہ بات ہے

یا یہ کہ جیسا کہ ہمارے پرنسپل صاحب، ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو صاحب جلسہ کنڈکٹ کر رہے تھے جنھوں نے جیسا کہا کاٹ چھانٹ کرنی پڑی۔ ممکن ہے عربی کی چند تقریریں باقی ہوں سننے کا مجھے موقعہ نہ ملا ہو۔ بہر حال میں اپنے ان عزیز بھائیوں سے یہ کہتا ہوں کہ عربی زبان کو مرکزی بنائیے اور عربی زبان یہاں بہت نمایاں ہونی چاہیئے۔ کوشش کیجئے۔ یہ الزام بالکل غلط ہے کہ عربی زبان مشکل ہے۔ آپ کے لئے تو بہت آسان ہونی چاہیئے۔ آپ لوگ مشق کرائیے مکالمے تقریریں، مضامین سب چیزیں عربی میں اور فائدہ یہ ہے کہ کتاب کو سمجھ لینا بالکل کافی نہیں۔ فن تعلیم کے لحاظ سے کتاب کے معنی بیان کر دینا بالکل کافی نہیں اس کو اتنا پڑھنا چاہیئے کہ اس کے بہت سے الفاظ یاد ہو جائیں۔ اور اس کو مختلف طریقوں پر ادا کرنا چاہیئے۔ بہت سے سوال کا جواب ہو کبھی الٹ کر کبھی پھیر کر کبھی ادھر گھما کر۔ مثلاً ابھی میں بمبئی کے ایک مدرسہ میں گیا تو وہاں وہ پوچھ رہے تھے۔ سوالات جو لکھے تھے ان کے جواب جو جواب تھے وہی جواب بچے دے رہے تھے۔ میں نے کہا یوں نہیں بلکہ سوال بدل کر پوچھئے ان سے کچھ اور کسی شکل میں پوچھئے جس سے معلوم ہو کہ ان کے ذہن نے اخذ بھی کیا یا نہیں تو یہ خالی سوالوں کا جواب جو مقرر ہیں وہ کہہ دیں گے۔ یوں نہیں۔ مثلاً اگر یوں کہنا ہو کہ "سچ بولنا کیسا ہے" تو کہیں گے بہت اچھا ہے یوں نہیں بلکہ یوں بھی پوچھئے کہ "جھوٹ بولنا کیسا ہے"؟ وہ کہیں گے "برا ہے"۔ تب سمجھئے کہ انھوں نے اس بات کو سمجھا کہ سچ بولنا اچھا ہے یا سب سے بڑی نیکی کی بات کیا ہے۔ یا جھوٹا آدمی کیسے ہوتا ہے۔ میں مثال دیتا ہوں۔ اس طرح بدل بدل کر جس سے معلوم ہو کہ وہ سمجھ بھی رہے ہیں یا نہیں یا صرف رٹ لیا ہے اور باقی ایک بات اور بھی کہوں گا اور سمجھتا ہوں کہ کچھ بے جا نہیں کہ کبھی بھی استادوں کو نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اب وہ فارغ ہیں۔ دیکھئے فارغ التحصیل کا لفظ بہت غلط ہے۔ ہمارے مولانا حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی نواب

صدر جنگ بہادر بہت اعتراض کرتے تھے کہ فارغ التحصیل کیا مطلب ہے یعنی بس تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ بالکل خالی ہو گئے۔ عربی میں فارغ کے معنی خالی کے ہیں۔ نہیں اب تحصیل شروع ہوئی ہے جو کسی مدرسہ سے پڑھ کر نکلا اس کو سمجھنا چاہئے کہ اب اس کا کام شروع ہوا ہے اب اسی وقت وہ پڑھنے کے قابل ہوا ہے کچھ سمجھنے کے قابل ہوا۔ کچھ ذوق۔ وہ تو ایک چکر تھا نصاب کا اور وہ ایسا ایک چکر تھا کہ اس میں کچھ اور پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ اب جا کر کچھ ذوق پیدا ہوا۔ شد بد پیدا ہوئی۔ اب پڑھنا چاہئے آپ لوگوں کو مطالعہ اپنا جاری رکھنا چاہئے اور میں یہ بھی کہوں گا۔ یہ بات تو ذرا الگ کہنے کی تھی۔ معلوم نہیں کہ موقعہ ملے نہ ملے کہ چھٹیوں میں کبھی کسی کے ساتھ وقت گذاریئے کسی وسیع ماحول میں جہاں کتب خانہ ہو۔ جہاں کتابیں ہوں۔ نئی نئی چیزیں آتی ہوں۔ مہینہ دو مہینہ کے لئے کہیں کسی کے پاس چلے جائیے اور رہئے تو اس سے انشاء اللہ جامعہ کو باہر سے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آپ ہی لوگ اخیر تک کام دیں گے۔ یہی چند باتیں میں نے جلدی میں کہی ہیں باقی بھی کرنے سے ہوگا۔ کہنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر ہم روزآنہ درس دیں جب بھی کچھ فائدہ نہیں۔ ایک بات طالب علموں کو کہی کہ اسی مدرسہ کو سب کچھ سمجھ کر اور اس کو بہت بڑی درس گاہ سمجھ کر اور جامعہ واقعی صحیح معنی میں بہت بڑا ہے اس کو آپ کافی سمجھیں اور کہیں کسی اور طرف خیال نہ کریں اور یہیں محنت کریں اور اپنی استعداد بنائیں۔ اور اساتذہ سے میں نے کہا کہ نمونہ اور دین کی عزت وعظمت ان کے اندر بٹھا دیجئے۔ بس سب کام ہو گیا یہ کنجی ہے۔ اگر نماز روزہ بھی ہے اور تہجد بھی ہے اور دین کی عظمت نہیں کوئی فائدہ نہیں۔ کسی وقت بھی آدمی چھوڑ دے گا اگر نماز روزہ نہیں دین کی عظمت ہے تو انشاء اللہ نماز روزہ بھی پیدا ہو جائے گا۔ اصل چیز ہے دین کی عظمت یہ سمجھیں کہ دین کیا چیز ہے۔ دین والے کیسے ہوتے ہیں۔ تو انشاء اللہ پھر یہ محفوظ رہیں گے۔ ان کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اتنا ہی کام آپ نے کر دیا تو آپ پورے طور پر کامیاب ہیں۔ "وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین"

اسلامی و عربی مدارس کے

اساتذہ و طلبہ کیلئے

پیغام عمل

اپریل سنہ ۱۹۷۱ء میں

جامعہ اسلامیہ، بھٹکل

کے منتظمین، اساتذہ و طلبہ سے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

کا خطاب

نشانِ منزل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ؕ

میرے دوستو، بھائیو، اور بزرگو! ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ماں باپ سے بڑھ کر کسی کی اور شفقت نہیں، ماں کی ماتا دنیا میں ضرب المثل ہے، اگر کوئی عورت، اگر کوئی انسانی ہستی، اگر دنیا کی کوئی بھی مخلوق ماں کی محبت سے بڑھ کر دعویٰ کرے تو سب کو جھوٹا کہتے ہیں

جھوٹا سمجھتے ہیں، اور اس پر اعتماد نہیں کرتے، اور اس کو بناوٹ نفاق اور جھوٹا دعوی سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بچے کی محبت ماں کے دل میں ڈال دی ہے۔ جب سے یہ نظام عالم قائم ہے، یہ محبت رہی ہے۔ اس نظام عالم میں جسمانی پرورش کا نظام ایک خاص اسٹیج پر چل رہا ہے۔ اگر ماں کے دل میں بچے کی محبت نہ ہو تو بچے کی پرورش بہت مشکل ہے، چنانچہ جو بچے اپنی ماؤں سے محروم رہتے ہیں، کسی وجہ سے ان کی پرورش کے لیے بہتر سے بہتر سامان کیا جائے لیکن وہ قدرتی، وہ بے تکلف، وہ خدائی محبت اور ممتا کا جوش اور فکر اور درد جو ماں کے دل میں ہوتا ہے وہ پیدا نہیں ہوتا، وہ بچے اس دولت سے محروم رہ جاتے ہیں، اس طرح سے باپ کی شفقت بھی، بالکل قدرتی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے باپ کے دل میں بھی محبت و شفقت کا مادّہ رکھا ہے، اور کیوں نہ ہو اولاد اس کے جسم کا ٹکڑا بلکہ اس کے دل ہی کا ٹکڑا ہے، اس لیے جیسے اپنے آپ سے محبت ہوتی ہے اسے اپنی اولاد سے بھی محبّت ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ فطرت مسخ ہو جائے، انسان کی زندگی میں کوئی ایسی بات ہو جائے، اور کوئی ایسا عنصر شامل ہو جائے۔ جس سے فطرت متاثر ہو، لیکن ماں اور باپ اپنے علم کے مطابق، اپنے تجربے کے مطابق اپنی سمجھ کے مطابق، بچے کے لیے بھلائی چاہتے ہیں، اس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں اس کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور بری باتوں سے بُری صحبتوں سے، بچے کو بچانا چاہتے ہیں۔

مخلوق کے ساتھ انبیاء کی غیر معمولی شفقت

لیکن کبھی کبھی ماں کی محبت اندھی ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ محبّت اندھی ہوتی ہے، اور ماں کی محبت تو بہت اندھی ہوتی ہے، وہ اندھا دُھند کام کرتی ہے۔ اس کو فکر نہیں ہوتی کہ

بچے کے حق میں یہ بات انجام کے لحاظ سے بہتر ہے، مفید ہے یا مضر، بس مامتا کا جوش ہوتا ہے اس میں اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، وہ بالکل اندھی بن جاتی ہے۔ بعض اوقات بچے کو نقصان پہنچانے والی ضد پوری کرتی ہے۔ اس کی فرمائشیں پوری کرتی ہے۔ وہ مکتب میں جانا نہیں چاہتا تو اس کو روک لیتی ہے۔ سو بہانے کرتی ہے، بیمار بتلاتی ہے، اور اس طرح سے بچہ مکتب کی تعلیم سے محروم رہ جاتا ہے، اس طرح کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں ہیں، جس طریقہ سے انسانی جسم کی پرورش کا نظام اور ترقی کا نظام ماں اور باپ کی محبت پر چل رہا ہے اسی طریقے سے روحانی اور اخلاقی پرورش کا نظام ــــ اور سچ پوچھیے تو یہ پورا نظامِ عالم پیغمبروں کی محبت اور شفقت پر چل رہا ہے، ماں باپ میں جو لوگ ذرا سمجھدار ہوتے ہیں، جن کی نظر ذرا دوربیں ہوتی ہے، جن کی انجام پر نظر ہوتی ہے، وہ بچے کی چھوٹی چھوٹی ضدیں پوری نہیں کرتے، ان کے بے جا اصرار پورا نہیں کرتے، وہ بعض اوقات بچے کو رُلاتے ہیں، بعض اوقات دکھ پہنچاتے ہیں، مگر جو چیز انجام کے لحاظ سے اس کے لیے بہتر ہوتی ہے وہ اسی کا انتظام کرتے ہیں، بچہ مدرسہ نہیں جانا چاہتا وہ اسے بھیجتے ہیں، بچہ دوا نہیں پینا چاہتا پلاتے ہیں، بچہ آپریشن نہیں کرانا چاہتا کراتے ہیں، شگاف نہیں دلانا چاہتا دلاتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر محبت کرنے والا بچے کے لیے کون ہو سکتا ہے۔ لیکن وہی اس کو پکڑتے ہیں۔ وہی آپریشن کرواتے ہیں، یہی سب کچھ دنیا میں ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کی یہ مخلوق اور انسانوں کی یہ نسل تعلیم سے، تربیت سے، اخلاق سے بلکہ انسانیت سے محروم رہ جائے۔ جس طریقے سے ہمارا یہ جسمانی نظام چل رہا ہے اسی طرح سے روحانی اور اخلاقی تربیت کا نظام پیغمبروں سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی محبت اور شفقت عطا فرمائی ہے کہ اس محبت اور شفقت کے سامنے ماں باپ کی محبت سچ پوچھیے تو گرد ہے، ماند ہے، ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ پیغمبروں کے دل میں اپنی اُمت کی کس درجہ محبت

اور شفقت ہوتی ہے، وہ کس طرح سے ان کے دل کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں، ان کے پاؤں میں، اُن کے تلوے میں کانٹا چبھتا ہے، انگلی میں ان کے جسم کے کسی حصہ میں پھانس لگتی ہے تو اس کی خلش وہ سارے جسم میں محسوس کرتے ہیں، اپنے اُمتی کے ساتھ ان کا کیسا تعلق ہوتا ہے اس کا اندازہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، میں نے جو آپ کے سامنے آیت پڑھی آپ کو مسلمانوں کی حیثیت سے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم دیا ہے، سیرت کا، آنحضرت ؐ کے حالات سے ہم کو تھوڑی بہت واقفیت ہے تو ہم اس کی لفظ بہ لفظ نہیں، حرف بحرف نہیں بلکہ نقطہ بہ نقطہ تصدیق کریں گے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (ایسا پیغمبر آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوتا تو اس کو ہمارے درد و دکھ کا احساس نہ ہوتا ہماری مشکلات کو وہ نہ جانتا، اسے جانتا بھی تو اس مشکل میں شریک نہ ہوتا، انسان کا درد انسان محسوس کرتا ہے، بھائی کی تکلیف بھائی محسوس کرتا ہے، ایک گاؤں کے رہنے والے، ایک دوسرے کے دکھ درد کو جانتے ہیں، ایک گاؤں کے لوگ بعض اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، ریاست صوبہ، ملک تو بڑی چیز ہیں، اور دنیا تو بعد میں بنتی ہے، ایک چھوٹے سے گاؤں کے لوگ بھی بسا اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا ہے جو تم میں سے ہے، تمہاری جنس میں سے ہے۔ یعنی جس چیز سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو وہ اس کو شاق گذرتی ہے، وہ اس کو برداشت نہیں ہوتی، وہ اس کو کھل جاتی ہے، اس کی جان پر بن جاتی ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ جس سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو، تمہاری شفقت، تمہارے درد سے، تمہاری بے چینی سے وہ بے چین ہوتا ہے، حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ اس کو تمہاری بڑی فکر ہے، تمہاری دُھن لگی

لگی ہوئی ہے کہ تم اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ، اللہ کی رحمت تم پر رہے، مغفرت رہے، اس کی تھوڑی سی غفلت سے تمہارا دامن کہیں خالی نہ ہو جائے۔ کفر کا کلمہ تمہارے حلق سے اترنے نہ پائے انسان جہنم کے حلقے میں شامل نہ ہونے پائے، شیطان کے حلقے میں جانے نہ پائے، اور خدا کے دین کی خدمت چھوٹنے نہ پائے بس جو بھی انسان ہے وہ انھیں میں آجائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جھولی میں آجائے

ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا، اور بہت مہربان ہے، آنحضرت کی اپنی امت کے ساتھ جو تعلق تھا، فکر تھی جو درد تھا، اس کا آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کس درجے کی تھی، بس یوں سمجھیے کہ جیسے ایک ماں کی ایک ہی اولاد ہو، ماں کا ایک چھوٹا بچہ ہو اکلوتا اور ساری زندگی کا سہارا اور سارے گھر کا چراغ، اس ماں کو جیسے اپنے بچے کی فکر ہوتی ہے، اس کی ترقی سے خوشی ہوتی ہے، اس کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے، تو سمجھیے ایسا ہی تعلق ایک پیغمبر کو اپنی امت کے ساتھ ہوتا ہے، صحابۂ کرامؓ کے ساتھ آپ کا کیا تعلق تھا، یہاں تک کہ وہ لوگ جو مکہ کے رہنے والے تھے ان میں سے بعض آپ کے عزیز تھے، اور بعض ان میں سے اہل شہر تھے، ہم وطن تھے، مگر بدر میں قیدیوں کی حیثیت سے جب وہ پیش ہوئے تو نماز میں بھی آپ بے چین رہے، نماز سے آپ کو جو عشق تھا، نماز میں جو مزہ ملتا تھا اور جو طمانیت ہوتی تھی، خدا کی طرف توجہ ہوتی تھی، اس کا اندازہ ہم آپ کر ہی نہیں سکتے۔

آپ فرماتے قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، آپ بلالؓ سے فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ!

بلالؓ آپ کے موذن تھے، دنیا کی باتیں ہو رہی تھیں، وہاں کیسی باتیں ہوں گی، اچھی باتوں کے سوا وہاں اور کیا ہو سکتا تھا، اسلام کی تبلیغ کی باتیں، اسلام کو پھیلانے کی تدبیریں، کوششیں، اور

علم قرآن وحدیث، لیکن آپ کو حضور نماز کا جو مقام تھا، نماز سے جو تعلق تھا، آپ نماز کے لیے بے چین ہوکر بلالؓ سے کہتے۔ اے بلالؓ! اذان کہہ کر ہم کو آرام دو، بہت انتظار کیا، اب انتظار نہیں ہوتا، بلالؓ خدا کے لیے اذان دو تاکہ ہم کو سکون حاصل ہو، تاکہ ہم کو آرام ملے، بس نماز سے آپ کا یہ تعلق تھا، اور امت کے ساتھ آپؐ کا جو تعلق تھا، آپؐ کہتے ہیں کہ میں کبھی کبھی نماز میں ہوتا اور پیچھے سے کسی بچّے کے رونے کی آواز آتی، دل تو چاہتا کہ نماز لمبی کروں، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں، اپنے خدا کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ لمبے لمبے سجدے کروں، خوب اس سے باتیں کروں، خوب اس سے دعائیں کروں، اس کا نام لوں، اچھی طرح سے اس کو پکاروں، راضی کروں اور مناؤں، لیکن اس بچے کی آواز میرے کان میں آتی ہے، اور میں سوچتا ہوں کہ اس کی ماں بھی نماز میں ہوگی۔ اس زمانے میں مسلمان عورتیں بھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتی تھیں، اور وہ زمانہ فتنہ وفساد کا زمانہ نہیں تھا، خیر القرون کا زمانہ تھا، اس لیے عورتوں کو اجازت تھی کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ، اپنے باپ کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ وہ بھی اللہ کے گھر آئیں، اور نماز پڑھیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں ہوتا ہوں، اور میرا اس وقت ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے خدا سے دل کھول کر مانگوں گا، دل کھول کر دعائیں مانگوں گا، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں گا، اتنے میں کان میں ایک بچے کی آواز آتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس کی ماں نماز میں ہو اور اس کا دل بے چین رہے گا، اس کا دل نماز میں نہ لگے گا، وہ اپنے بچے کو جلد لینا چاہے گی، اس وقت میں نماز مختصر کر دیتا ہوں، بھائیو اس سے بڑھ کر کیا تعلق ہو سکتا ہے، ہم کو نماز سے اس قسم کا تعلق کہاں ہے، جن لوگوں کو نماز سے تعلق ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی قربانی ہے، یہ ہمارے رسول پاکؐ کی کتنی بڑی قربانی تھی، وہ نماز میں دنیا وآخرت سے بے خبر ہو جاتے تھے، آپؐ کو نماز میں بالکل یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے، آپ اپنے خدا کے حضور میں کھڑے

ہو کر رونے، مانگنے، اور گڑگڑانے میں مصروف رہتے، اس میں آپ ایک بچے کی آواز سے نماز کو مختصر کر دیتے تھے کیوں؟ اس لیے کہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو، آپ کا اپنی اُمت کے ساتھ یہ حال تھا، آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے الاؤ روشن کیا، بہت ہی تیز آگ جلائی، جیسے کہ جنگلوں میں آگ ہوتی ہے، لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھ کر تاپتے ہیں، برسات کی راتوں میں آپ نے دیکھا ہوگا آگ کے پاس کیا ہوتا ہے، پروانے آکر گرتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں آکر جمع ہو جاتے ہیں، ایک بتی روشن کر دیجیے بس کافی ہے، روشنی پھیلتے ہی خدا جانے کون ان کو خبر کر دیتا ہے، وہ آتے ہیں، امنڈ آتے ہیں، بادلوں کی طرح اُمنڈ آتے ہیں، وہ سب کے سب آگ میں آکر ٹوٹ پڑتے ہیں، تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے الاؤ روشن کیا اور پتنگے آکر اس پر گرنے لگے، اسی طرح سے تم جہنم کی آگ میں گرنا چاہتے ہو، اے انسانو! تم جہنم کی آگ میں، دوزخ میں گرنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو آگ سے ہٹاتا ہوں، یہ آپؐ کی اپنی اُمت کے ساتھ تعلق کا معاملہ ہے، اُمت کے ساتھ آپؐ کو الفت تھی، ایسی اُلفت کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں کہنا پڑا، سورۂ کہف میں آیا ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○

کیا تم جان دے دوگے ان انسانوں کے پیچھے، کیا تم اپنا گلا گھونٹ لوگے، ان کے اسلام نہ لانے پر، ایمان نہ لانے پر؟

آپؐ کو یہ فکر تھی کہ آپؐ کی امت میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، سب جنت کے مستحق ہو جائیں، آپ کا مقام تو بہت اونچا ہے، آپ کے غلاموں کا یہ حال تھا، آپ اپنے مشائخ صوفیائے کرام، اور صحابۂ کرامؓ کی سوانح عمریاں پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے نبوت کی

وراثت میں، آپ کے صدقے میں وہ محبت اور شفقت انسانوں کے ساتھ جتائی، اپنے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ، اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان لوگوں کا جو تعلق تھا، جو محبت و شفقت تھی، وہ گویا آنحضورؐ کا صدقہ تھا، حضرت نظام الدین اولیاؒ جو غلامانِ محمدؐ میں سے تھے، ان کی سب سے بڑی معراج یہی ہے، ان کا یہ حال لکھا ہوا ہے کہ ان کی مجلس ہو رہی تھی، اللہ اور رسول کی باتیں ہو رہی تھیں، لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، آپ کے پاس جگہ ہی کہاں، وہ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ جو سایہ کی جگہ تھی وہ بھر گئی، جو لوگ بعد میں آئے وہ دھوپ میں کھڑے ہو گئے آپ نے ایک مرتبہ تڑپ کر فرمایا کہ خدا کے لیے سایہ میں آ جاؤ، دھوپ میں تم کھڑے ہو، اور میں جلا جا رہا ہوں، یہ حالت تھی حضورؐ کے غلاموں کی، یہ آپؐ کے غلام تھے، آپؐ کے نام لیوا تھے، دوسروں کی تکلیف کا ان کو اتنا احساس ہوتا تھا کہ دوسرے دھوپ کھائیں اور تکلیف ان کو خود محسوس ہوتی تھی، وہ سوزش محسوس کرتے تھے اور ایک حضرت نظام الدینؒ کا واقعہ ہے کہ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ آپ کچھ کھاتے نہیں؟ وہ روزہ رکھتے تھے، انہوں نے عمر بھر روزہ رکھا سوائے بقرعید اور عید الفطر کے باقی ایام میں وہ روزہ سے رہتے تھے، اس لیے کہ اُن دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے، سال بھر روزہ رکھا، لوگ حلوہ لاتے تھے، دسترخوان بچھا ہوا رہتا تھا، افطار میں وہ کھاتے تھے اپنی پسند کے مطابق، بعض مرتبہ دیکھا گیا کہ ہاتھ بڑھایا ہوا وہیں رہ گیا، اور دسترخوان اُٹھ گیا، برائے نام کچھ کھا لیا تو کھا لیا، ایک نے پوچھا کہ آپ کیوں تناول نہیں فرماتے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ برائے نام ہی کھاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم جو کچھ کھاتے ہو وہ میرے حلق میں جاتا ہے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ میرے ہی حلق کے اندر جا رہا ہے، اور ان کے ایک خادم تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رات سحری لے کر آتے تھے، ان کی ڈیوٹی تھی کہ پانی وغیرہ وضو کے لیے رکھ آئیں، اور وہ خوان بھی لے آئیں جو کچھ بچا رہتا وہ کھاتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ سب

لوگ کھاتے تھے اور حضرت روزہ رکھتے تھے، یعنی یہ کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ پیٹ بھر کر کھاتے ہوں، برائے نام کھاتے تھے، وہ کچھ بہانے سے کھاتے تھے یا جوں کا توں جیسا ہی خوان میں لے گیا ویسا ہی واپس لایا، ایک دن میں نے حضرت سے رو کر کہا کہ حضرت! آپ بھی کچھ کھائیے نا، آخر کس طرح سے کام ہوگا، عمر شریف اسّی سے اوپر ہوتے آئی، کھائیے، بوڑھوں کی طاقت کھانے ہی سے ہوتی ہے، اب کھائے بغیر کام کیسے چلے گا، حضرت رو کر فرمانے لگے کہ میاں اقبال جو کچھ نام تھا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ کتنے اللہ کے بندے مسجدوں کے صحن میں بھوکے پڑے ہیں، کیا تم کو معلوم ہے کہ دلّی کے مسافر خانوں میں کتنے مسافر ایسے ہیں جو نانِ جویں کے محتاج ہیں، ان کو کھانے کو نہیں ملتا، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ میں سیر ہو کر کھاؤں، یہ غلامانِ محمدؐ کے چند واقعات ہیں جو میں نے سُنائے، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاء اور بڑے بڑے اولیاء کرام کے واقعات میں نے عرض کیا، یہ سب ان کا عمل تھا، خادموں کے ساتھ یہ سب نمونہ تھا، یہ صدقہ تھا، نمونے کی ایک جھلک ہے۔ حضور کی شفقت کی جو آپ کو اپنی امت کے ساتھ تھی۔ میرے دوستو! اللہ کے سب پیغمبر اللہ کا سلام ہو ان پر، سب نے اپنی اپنی امتوں سے محبّت و شفقت کا برتاؤ کیا، حضرت محمدؐ ماں باپ کی محبت سے بڑھ کر محبت لے کر آئے، آپ کو یہ فکر تھی، یہ حرص تھی، یہ دُھن تھی کہ امت کا بیڑا پار ہو، اس کو نجات ہو، امتیوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، ایک امتی ہلاک نہ ہونے پائے، یہ نظام عمل تھا حضورؐ کا، آپ نے انسانیت کے سامنے جو تاریخ رکھی، جو ہدایت کا راستہ بتایا، اس پر چل کر مسلمان ہمیشہ کامیاب ہوں گے، دنیا میں بھی، آخرت میں بھی، دنیا میں راحت ہوگی، آخرت میں جنت کے مزے لوٹیں گے، دنیا میں جنّت کے جھونکے آئیں گے، اور جنت کی ہوا چلے گی، اولیاء کرام کا مقولہ ہے کہ خدا کی قسم ہم کو جنت کا مزہ آرہا ہے، اور بہت سے عارفوں کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کو خبر ہو جائے،

دنیا والوں کو کہ ہم کس جنت میں رہتے ہیں، اسی زندگی میں ہم کو جو سُکھ حاصل ہے ـــــ ، تو خدا کی قسم وہ لوگ ہم کو یہاں بیٹھنے نہ دیں گے، ہم کو کام کرنے نہ دیں گے، وہ تلواروں کے ساتھ چل کر آئیں گے، اور ہم کو اٹھا کر کے یہاں ہماری جگہ پر خود بیٹھ جائیں گے، ہم کو دنیا فاقہ کرتا ہوا دیکھتی ہے یا پیٹ میں پتھر باندھے ہوئے دیکھتی ہے، چیتھڑے لگائے ہوئے، پیوند لگائے ہوئے دیکھتی ہے، ہم کو دنیا مال کے اعتبار سے، کھانے کے اعتبار سے بہت بے مایہ اور بہت فقیر دیکھتی ہے لیکن ہم تو یہاں جنت کا مزہ لوٹ رہے ہیں، ہم کو جو یقین اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا، جو راحت ہم کو بخشی، جو ہمارے دل میں استغنا رکھا، دل میں سے ہر خوف کو نکال دیا، امید ختم کر دی، نہ کسی سے امید، نہ کسی سے خوف لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، کہ ہم کو جنت کا مزہ آ رہا ہے جنت کی تعریف کیا ہے، وہاں نہ خوف ہوگا، نہ مصیبت کی فکر ہوگی، نہ کیے ہوئے پر پچھتاوا، نہ پشیمانی، نہ آئندہ کا غم ہوگا، یہ ان اولیاء کرام نے زندگی حاصل کی ہے،

دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت

میرے دوستو! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو راستہ ہم کو بتایا ہے، جو تعلیم آپؐ لے کر آئے، اور جو کتاب آپ لے کر آئے، اس پر چل کر ہم دین و دنیا دونوں جگہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، ہم اس کے بغیر کتنی بڑی عقلمندی سے کام لیں، کتنے فلسفی ہوں، کچھ بھی ہوں، نہ ہم اس دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ اس دنیا میں ہم کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، آپ کی اطاعت ہی میں کامیابی ہے، آپ ہی کے راستے میں فوز و فلاح ہے، آپ ہی کے راستے میں سعادت ہے، آپ نے جو طریقہ بتایا ہے، اسی طریقے میں ہمارے لیے کامیابی اور نجات ہے، ہماری عقل ہم کو کیا سمجھاتی ہے؟ ہماری عقل ہم کو یہ سمجھاتی ہے کہ آج

کے فلسفہ اور آج کل کے نظام میں، آج کل کی تربیت میں ترقی ہے، ہمارا نفس ہم کو یہ طریقہ بتاتا ہے، یہ فلسفہ دیتا ہے علمی مسئلہ بنا دیتا ہے کہ کیسی دنیا اور کہاں دنیا کی فکر، کیا ملت کا مفاد، کیا ملت کے ادارے، کہاں کا مسلمانوں کا مسئلہ، دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ کہاں، ہندستان کے مسلمانوں کا مسئلہ کہاں، کھاؤ پیو مست رہو، کماؤ زیادہ سے زیادہ، کماؤ اور اولاد کے لیے زیادہ سے زیادہ چھوڑ کر جاؤ، عمدہ مکانات اور بنگلے بناؤ، اور جائیدادیں خریدو، باہر ممالک چلے جاؤ، کس فکر میں پڑے ہو تم کہاں کا عقبیٰ، کہاں کی آخرت؟ اور کہاں کے ملت کا مفاد، کہاں کے ملت کے مسائل کہاں کی مسلمانوں کی فکر، اس جھنجھٹ میں اگر ہم پڑیں گے تو ہم سے نہ کھایا جائے گا، نہ پیا جائے گا یہ تو تپ دق ہے، اتپ دق کیوں مول لیتے ہو۔ EATDRINK & BENEW کھاؤ پیو اور مست رہو، یہ جو یورپ کا فلسفہ BE MERRY۔ رہنے کا جو فلسفہ ہے ہمارا نفس ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ہمارا بڑا مسئلہ ہماری ذات کا مسئلہ ہے، قوم کا مسئلہ نہیں ہے، اجتماعیت کا مسئلہ اور ملت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلہ زید کا، بکر کا اور عمر کا ہے، یہ جو اکائیاں ہیں، ملت کی ہر اکائی کا ہے، ہم کو تجربہ بتاتا ہے کہ اکائی دہائی کچھ نہیں، بس یہی دُنیا ہے، یہی آخرت ہے، یہی اچھا ہے اور یہی بُرا ہے، اس کے نتیجہ میں کھانے کو جو کچھ بھی مل جائے اور کھانے کو تو بہت کچھ مل جاتا ہے، پہننے کو تو بہت کچھ مل جاتا ہے، مگر یہ ہے جانور کی سی زندگی، بندر کی زندگی کیا ہے، گدھے کی زندگی کیا ہے، بھینس کی زندگی کیا ہے، کھالیا، پی لیا اور اپنے بچوں تک کی بعض جانوروں کو فکر نہیں ہوتی، ایسا دیکھا گیا ہے کہ بچہ بھی اگر منہ مار رہا ہے، تو ماں اس کے منہ سے لقمہ چھین رہی ہے اسے کھانے نہیں دیتی، یہ ہے حیوانیت کا فلسفہ، یہ ہمارا نفس ہم کو بتاتا ہے، وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ شیطان ان کے اعمال کو آراستہ کر کے دکھاتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ دوسروں کی فکر میں تم کیوں گھلے جا رہے ہو، ہر وقت لوگوں کے غم میں مبتلا رہتے ہو،

یہ درد، یہ مرض اور یہ بیماری جس کو لگ گئی وہ گھلتا چلا جاتا ہے، اس کی ہڈی کو بھی گھلا دیتی ہے، یہ ہمارا نفس ہم کو بتاتا ہے، اور ہمارا نفس سمجھاتا ہے کہ کہاں کا مرنا اور کہاں کا جینا، اِنْ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیٰ، یہ سب کھیل ہے، یہی دنیا کی زندگی ہے، آج ہم زندہ ہیں کل مرجائیں گے، کہاں کے ملت کے مسائل، کہاں کی اجتماعیت، کہاں کے ملی مفاد، کیسی تعلیم و تربیت اس ملک میں کیا ہورہا ہے، کیا ہونے والا ہے، آنے والی نسلوں کا حال کیا ہوگا، ہم پر کیا ذمہ داری ہے، ہم پر صرف اتنی سی ذمہ داری ہے کہ بس کھالیں، پی لیں، بچوں کو پڑھائیں، ان کو آگے بڑھائیں، ان کو ایک کامیاب انسان بنائیں، ان کے مستقبل کا کیا ہوگا، اس ملک میں کیا ہونے والا ہے، مسلمانوں کا کیا ہونے والا ہے، اس فکر میں ہم کیوں پڑیں، یہ فلسفہ ہے نفس کا، نفسانیت کا اور حیوانیت کا، انفرادیت کا، جب کوئی قوم اس فلسفہ میں مبتلا ہوجاتی ہے، اور نفسی نفسی میں پڑجاتی ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا، ایک چھوٹا سا کنبہ آج وہ کنبہ بھی مختصر ہو رہا ہے، اپنی ہی زندگی میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کنبہ روز بروز مختصر ہورہا ہے، پہلے چچازاد، تایازاد بھائی، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائیوں کا پورے کنبہ سے تعلق تھا، جب انسانیت کا تعلق تھا تو پوری برادری کے ساتھ تعلق تھا، گاؤں کا ہر بچہ اپنا بچہ معلوم ہوتا تھا، اور ہر آدمی اپنا بھائی معلوم ہوتا تھا، جب اس کے بعد مادیت کارفرما ہوگئی تو یہ بات آئی کہ اگر ایک محلے کے کسی بچے کو دوسرے محلے کے بچے نے چھیڑ دیا یا مار دیا تو بس بپھر گئے کہ ہمارے محلے کے بچوں کو مارنے کی کیسے ہمت ہوئی، کیسے مجال ہوئی، ہمارے محلہ کے بچہ کی طرف نظر اٹھاکر کیسے دیکھا، اب اس محلہ کے لوگ اس محلہ، اس محلہ کے لوگ ایک دوسرے سے جرمن اور انگریزوں کی لڑائی کی طرح دونوں آمنے سامنے کھڑے ہوگئے، پھر محلہ میں لڑائی شروع ہوگئی، پہلے خاندان میں، سگے ماموں زاد بھائی، سگے خالہ زاد بھائی، سگے پھوپھی زاد بھائی جسے انگریزی میں (COUSINS) کہتے ہیں، کا معاملہ آیا، ان سے بھی لڑنے بھڑنے کے لیے تیار،

اس طرح لڑائی ہوئی، چچازاد بھائی، اور تایازاد بھائی آپس میں لڑنے لگے، اس کے بعد پھر وہ زمانہ آیا کہ بھائی بھائی کے درمیان لڑائی ہوئی، اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ سگے بھائی کی جگہ اپنی اولاد سے لڑائی ہوئی ہم اور آپ جس زمانے سے گذر رہے ہیں، یہ زمانہ ہے اپنی اولاد کا، اگر ترقی کا حال یہی رہا، اگر یہ رفتار یونہی جاری رہی، زندگی کا سفر یوں ہی جاری رہا، تو آپ دیکھ لیجیے گا کہ باپ بیٹے کا بھی نہ ہوگا، باپ بیٹے سے چھین کر کھائے گا، ایسا دیکھنے میں بھی آیا ہے قحط سالی کے موقع پر ایسا ہوا کرتا ہے کہ اپنے بچے کو ماں باپ نے بھون کر کھالیا، بیچ کر کھالیا، یہ آخری حد ہے جہالت کا اگر ایسا ہی غلبہ رہا تو وہ زمانہ آجائے گا کہ جب کہ لڑکے کے منہ سے نوالہ چھین کر آدمی کھائے گا، یہ حالت ہوتی ہے نفس پرستی کی، شکم پرستی کی سمٹتے سمٹتے تعلقات اپنی اولاد تک آگئے، اور یہ بھی ختم ہو جائے گی، اولاد بھی نہ رہے گی، پھر اپنا نفس اور اس میں ترقی جاری رہے گی، تو آپ دیکھیے گا کہ ہاتھ ہاتھ کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا، بلکہ یہ چاہے گا کہ کل جامعہ اسلامیہ کے بچوں نے تماشا دکھایا کہ منہ سے پیسہ کو اٹھالیا، ہاتھ کہے گا کہ کھانا تو آپ کو ہے میں کیوں آپ کی مدد کروں، زمین پر لیٹ کر کے منہ کے ذریعہ کھائیے، جامعہ اسلامیہ کے بچے زمین پر لیٹ کر کے پیسہ کو اٹھا کر بھاگ گئے، ان بچوں نے جس طرح کرتب دکھایا تھا، یہ کرتب دکھائے گا کل کو انسان، ہاتھ مدد کو نہیں آئے گا، پاؤں کہے گا کہ میں کیوں چل کر کے جاؤں کھانا تو آپ کو ہے، مزہ تو آپ کو آئے گا، اور زبان وہاں تک جانے کے لیے کہے گی کہ ہم کیوں تھکیں آپ پیٹ کے بل رینگ کر کے کھائیے گا، اسی پیٹ کو آپ تکلیف دیجیے، پاؤں کیوں آئے اس کی مدد کے لیے جیسے سانپ رینگتا ہے جیسا کہ اور بہت سے جانور زمین پر رینگتے ہیں ویسے آپ جاکر کھا لیجیے منہ کو مزہ آئے گا پیٹ میں جائے گا یہ فلسفہ یہ بتاتا ہے، دیکھو اس وقت دنیا کی حالت کیا ہوتی ہے، جہنم سے بدتر ہو جاتی ہے، کسی کو فکر نہیں ہوتی، یہ سمجھ لیجیے جو ہے بندر

اور بیل کی طرح منھ مارنے لگیں گے، کوئی کام نہیں ہوگا ــــــ کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، انصاف اور بے انصافی کے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں کوئی کسی کا حق تسلیم نہیں کرتا، ایثار و قربانی دن بدن ایک قصۂ پارینہ اور ایک داستان بن کر رہ جاتے ہیں، کہاں کا انصاف اور کہاں کی نا انصافی، کہاں کی قربانی، یہ باتیں پرانے زمانے کی کہاوتیں بن جاتی ہیں، اللہ کے پیغمبر ہم کو اس کے خلاف ایک نظامِ زندگی دیتے ہیں اور ہم کو زندگی گذارنے کا طریقہ بتاتے ہیں، یہ بھی کیا زندگی ہے، کھالیا، پی لیا، پیٹ بھر لیا، یہ بھی کوئی زندگی ہے، لعنت ہو ایسی زندگی پر، جانور کی زندگی پر، بکرے کی زندگی پر، لیکن انسان کی زندگی پہ خدا کی رحمت ہو۔ وہ کیا آدمی ہے جس کے دل میں انسان کا درد نہ ہو اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر ہو، دنیا میں کیا ہو رہا ہے، کسی دوسرے کا پیٹ بھر رہا ہے کہ نہیں، وہ یہ نہیں دیکھتا۔

پیغمبروں کی میراث

پیغمبر جو زندگی بسر کرتے ہیں اس زندگی کے لیے شریعت آئی ہے اس زندگی کے لیے قرآن اترا ہے، خدا کے بندوں نے کوشش کی ہے کہ تعاون کی، ہمدردی کی، محبت کی، ایثار و قربانی کی زندگی عام ہو، انسان بندر نہ بنے، انسان گدھا نہ بنے، بس یہی فکر نہ کرے کہ اس کو جو کھانا مقرر ہے جتنا دودھ مقرر ہے، جتنا چارہ مقرر ہے، وہ اس کو مل جائے بلکہ اس کو یہ فکر ہو کہ میرے ہم جنس میرے جیسے انسان ہیں جن کو کھانے کو نہیں ملا ہے ان کو بھی کھلاؤں اور وہ اسی میں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ دوسروں کو کھلا کر کھاتے ہیں، رکھ کر کے انہیں آرام نہیں ملتا، یہ ہے پیغمبروں کی میراث اس کے لیے پیغمبروں نے کوشش کی ہے پھر اس کے لیے لڑے کہ انسانوں میں درد عام ہو، انسانوں میں یہ کیفیت عام ہو ــــ صحابہؓ کے واقعات آپ نے سنے ہوں گے، ایک زخمی صحابیؓ

کے پاس پانی کا پیالہ لے کر گئے تو انھوں نے کہا کہ "میں نے ابھی کراہ سنی تھی دوسرے زخمی بھائی کی، آپ پہلے ان کو پانی پلا دیجیے" دوسرے نے کہا "تیسرے زخمی بھائی کی کراہ سُنی تھی" اس کے پاس پانی لے گئے تو اس نے کہا "چوتھے بھائی کی کراہ سُنی تھی" آخر میں جب پانی لے جایا گیا تو سب کے سب انتقال فرما گئے تھے، یہ ہے انسانیت کی میراث، انسانیت کی عظمت کا راز، انسان کی اشرفیت کا راز، اس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کے لیے یہ اُمّت کھڑی کی گئی ہے اگر یہ اُمتی بھی اس نفسی نفسی کے اصول پر چلا جائے، اگر نفس شیطان کی پیروی میں آگے بڑھ جائے حقیقت کو حقیقت نہ سمجھے اس کا انکار کر دے اور یہ سمجھے کہ سوائے کھانے پینے کے اور کوئی کام نہیں ہے تو سمجھیے کہ یہ اُمّت مر گئی، کوئی خصوصیت اس کی باقی نہیں رہی۔ پیغمبروں نے فرمایا کہ اپنے میں مگن رہنا اور اپنے میں مست رہنا یہ ہلاکت ہے۔ جب صحابۂ کرامؓ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے اپنے کاروبار کو تج دیا ہے۔ ہم سب کو بھول گئے، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے ہم نے اسلام کی خدمت کی ہماری کوٹھیاں اجڑ گئیں، ہمارے کھیت برباد ہو گئے ہماری تجارتوں کا دیوالہ نکل گیا، اب کچھ دنوں کے لیے ہم اپنے ذاتی کاروبار کو دیکھ لیں اس کے بعد پھر اسلام کی خدمت میں لگ جائیں گے۔ وہ جب اس طرح سے سوچنے لگے تو اسی وقت خطرے کی گھنٹی بجی، یہی وجہ ہے کہ ان کو فوراً تنبیہ دی گئی کہ خبردار یہ کیا خیال تمہارے دل میں آگیا ہے یہ خیال پیدا کیسے ہوا، خبردار ایسا خیال نہ کرنا، یہ زہر کا پیالہ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے منھ سے نہ لگا لینا۔ ان کو یاد دلایا گیا کہ جاؤ پھر اس خیال خام سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا کام تمام ہو جائے گا، وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ یہ تمہارے حق میں سم قاتل ہے یہ زہر اگر تم نے پی لیا، تم کو اگر یہ خیال آجائے کہ تم اپنے کاموں کو کر لو، تمہارے اندر یہ فکر رہے کہ تم امن سے رہو اور دین کے کام پس پشت ڈال دو تو یاد رکھو تم مر جاؤ گے، اس لیے

کر تھوڑی دیر کے لیے اگر تم اپنا کاروبار سنبھال بھی لے جاؤ گے تو کیا ہوگا، ملت نہیں بنے گی وَاِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ جہاں مسلمانوں کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کیا، ایک نئی برادری بنالی اِنْ لَّا تَفْعَلُوْهُ اگر تم نے اپنی ملت کے کام سے کوتاہی کی، اگر غفلت سے کام لیا، اسلام کی برادری توڑ ڈالی تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ تو دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوگا، یہ انسانیت تاراج ہو جائے گی، خاک کا ایک تودا بن جائے گا، دھول کا ایک ڈھیر ہوگا، ساری ملت کو ایک سمجھو، ساری ملت کے مفاد کے لیے ایثار و قربانی سے کام لو، اسلام کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری بنالو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا حامی و مددگار بن جائے۔

صحابہ کرام کے ذہن میں جب یہ بات آئی کہ ذرا اپنے دنیاوی کاروبار کو دیکھ لیں تو اللہ گواہ ہے کہ دین کا تقاضا فوراً ان کو سمجھایا گیا، بتایا گیا کہ خبردار! یہ بہت ہلاکت انگیز خیال ہے۔ یہ ذاتی مسائل کو سوچنا اور ملت کے مسائل کو بھول جانا تمہارے حق میں سم قاتل ہے اور صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی زندگی اور اس کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں کیا کیا قربانیاں دیں کیا بتائیں، ان کو اپنا مال اپنی جان، اپنا وقت، اپنی اولاد، اپنا گھر بار کسی کی پرواہ نہیں تھی، سب چھوڑ دیا، سب خدا کے دین کو سونپ دیا، اولاد کی پرواہ نہیں تھی، تجارت کی پرواہ نہیں تھی، کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی، عمر بھر کی کمائی کی پرواہ نہیں تھی، یہاں تک کہ بچوں اور ماں باپ کی پرواہ نہیں تھی، صحابۂ کرامؓ نے اسلام کو جو طاقت بخشی وہ ہماری اتنی ناقدری، اتنا ظلم اور جلنے کی لالچ کے بعد بھی قائم ہے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔

نفسی نفسی کا کاروبار چھوڑیے

میرے دوستو! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہؐ کے راستے سے بڑھ کر کوئی صحیح

ہاستہ نہیں ہوسکتا، انہوں نے راستہ بتایا، مسلمانوں کے پھلنے پھولنے کا، تجارتیں کرنے کا، اس راستے کو اختیار کیجیے، اور نفسی نفسی کے کاروبار کو چھوڑ دیجیے ــــ میری ذات، میرا کاروبار، میری اولاد، میرا مال، بس اسی کی فکر ہے یہ حال ہے اس امت کا بڑے سے بڑا مسئلہ پیش آتا ہے، تعلیم کا مسئلہ ہے جس کو ہم یو پی میں حل کر رہے ہیں، اس کے لیے میدان میں اتر آئے ہیں، لیکن مسلمان سرمایہ دار اپنا پیسہ دبائے ہوئے ہے، اس نظام کو قائم کرنے کے لیے تھوڑے سے سرمایہ کی ضرورت ہے وہ بھی پورا نہیں ملتا اسی طرح سے علیگڑھ کا مسئلہ ہے تعلیمی اداروں کا مسئلہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیسہ دیا ہے ایسے چار آدمی مل کر اس کو چلا سکتے ہیں، لیکن یہ پیسہ دبائے ہوئے ہیں اپنی کمر مضبوط کسے ہوئے ہیں، چاہے چمڑی چلی جائے، دمڑی نہ جائے لیکن جب وقت آتا ہے تو چمڑی جاتی ہے اور دمڑی بھی جاتی ہے وہ وقت آئے گا جب سزا ملے گی جب امتیوں کو سزا ملتی ہے، چمڑی تو کیا ہے دمڑی بھی چلی جاتی ہے، یہ دمڑی کس کے لیے جب دمڑی چلی جائے، یہ ایک عیب لگ گیا ہے، مسلمانوں کو یہ ایک گھن لگ گیا ہے مسلمانوں کے اندر۔ سرمایہ کی کوئی کمی نہیں ہے

ایک ایک جگہ کے مسلمان پورے ہندوستان کے مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں، آدھی نہیں تو چوتھائی ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں، لیکن نہیں کرتے بس مست ہیں، مگن ہیں، آپ دیکھئے مسلمانوں کے کاروبار کی حیثیت کیسی ہے بمبئی میں دیکھئے، کالی کٹ میں دیکھئے، مدراس میں دیکھئے، کلکتہ میں دیکھئے مسلمانوں کا کاروبار ملے گا۔ بعض کاروبار تو ایسے ہیں جو خالص مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

میں نہیں جانتا یہاں کونسی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے لیکن جب کسی ملی ادارے کے لیے کچھ مانگیے تو ایک جواب یہ ملتا ہے کہ "اپنا ہی پورا نہیں ہوتا" یہ جانتے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو کوئی بہانہ نہیں چلے گا، وہ آخری بہانہ کر دیتے ہیں، اگر ہماری ٹولی ان کے پاس جاتی ہے تو پوچھتے ہیں "کیوں آئے ہو"۔

ہلاکت کا سامان تم نے جب زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خدا نے ہی تم پر یہ ٹیکس مسلط کیا، جو قوم زکوٰۃ

کو یعنی خدا کی مقرر کی ہوئی رقم کو روکتی ہے تو اس پر نئے نئے ٹیکس مسلط ہو جاتے ہیں جیسے کسی کو بیماری لگادی، گھر میں بیوی بیمار ہے۔ بعض لوگوں سے پوچھا کہ اتنی بڑی آپ کی تنخواہ ہے وہ کیا ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں" صاحب! دس برس سے جو بیماری آگئی ہے گھر میں وہ جانے کا نام نہیں لیتی، روزانہ ڈاکٹروں کو بلانا پڑتا ہے بڑے بڑے ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھانا پڑتا ہے، اسکریننگ کرنا پڑتا ہے، ایکسرے کرانا پڑتا ہے، بعض دفعہ یورپ جاکر علاج کرنا پڑتا ہے، یہ مرض کھاتے پیتے لوگوں کو اللہ نے لگادیا ہے، کسی کو کوئی اور خبط ہو گیا ہے۔ جس کو HOBBY کہتے ہیں، غرض یہ کہ پہلے راستے پر خرچ کرنے سے اگر ہاتھ روکو گے تو دوسرے راستوں پر خرچ کرکے نہ تم کو فائدہ نہ ملّت کو فائدہ نہ اسلام کو فائدہ نہ انسانیت کو فائدہ، ان راستوں میں تمہارا پیسہ نکلنا شروع ہو جائے گا، یہ ہے ہلاکت کا سامان، ایک بیماری یہ ہے کہ مسلمانوں کا سرمایہ ان کو عزیز ہو گیا ہے اور ملّت کے مسائل کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ صحابۂ کرام کا معاملہ جدا تھا، ان کو پیسہ کی کوئی پرواہ نہ تھی، صحابۂ کرام کو ملت کے مسائل کے سامنے پیسہ عزیز نہیں تھا، گھر میں جھاڑو دے کر آتے تھے وہ لوگ، صحابہؓ کے کئی ایک واقعات آپ لوگوں کو یاد ہوں گے پھر بھی ایک واقعہ تم کو بتاتا ہوں جو تم کو معلوم ہے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے" اے ابوبکرؓ تم نے گھر میں کیا چھوڑا" انہوں نے فرمایا" اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا" یہ حالت تھی صحابۂ کرام کی لیکن ہمارا نفس ہم کو یہ کہتا ہے کہ یہ ایثار کا راستہ زندگی کا راستہ نہیں ہے بلکہ ہلاکت کا راستہ ہے، ہمارا نفس کہتا ہے کہ پیسہ بچائے رکھنا، ترقی کرنے کا راستہ ہے لیکن پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ ہلاکت کا راستہ ہے، ان کی بات سچی نکلتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہم تباہ ہوتے جارہے ہیں، اتنے بہت سے قارون ہماری قوم میں ہیں اور ہر گاؤں میں چار چار پانچ قارون بنے ہوئے ہیں لیکن ہماری ملت کی کیا حالت ہے، ہماری ملّت کی عزت کیا رہ گئی ہے، ہماری ملّت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے، جہاں چاہو فساد کرادو، مسلمانوں کی عزت ہوتی رعب ہوتا، ہمارا کیرکٹر ہوتا،

ہم کیریکٹر کے لوگ ہوتے، ایثار کرنے والے ہوتے، روپے پیسے جھونک دینے والے ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ جہاں چاہے بس ایک جھنڈی لے کر چلا جائے یا دیا سلائی (ماچس) لے کر آگ لگاتا چلا جائے، ہمارے گھروں کو کیا مجال تھی کسی کی کہ کوئی فساد کرا سکتا، ملت بے عزت ہوگئی ہے، بے آبرو ہوگئی ہے، بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے، ملت کی جان جان نہیں رہی، ملت کی عزت عزت نہیں رہی، ملت کی زندگی زندگی نہیں رہی، ملت کی آبرو آبرو نہیں رہی، جو آبرو باختہ جو اوباش ہو؟ بس جہاں چاہے فساد کرادے، کیا مجال تھی، اگر آپ میں آبرو ہوتی آپ میں ایثار کا مادہ ہوتا، اگر آپ میں پیسہ خرچ کرنے کا مادہ ہوتا، اگر آپ سینہ سپر ہوجاتے ملت کے لیے، اگر آپ یہ ثابت کردیتے کہ آپ ایک مستحکم ملت ہیں، اگر آپ کو پیسہ سے عشق نہ ہوتا اگر آپ کے اندر قارون نہیں ہوتے تو کیا ملت اتنی بے آبرو ہوتی؟ کیا کسی کو ہمت ہوتی کہ کہیں فساد کرائے، کل کس کی ہمت ہوگی کہ فساد کرائے، یہ اقلیت کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، باعزت ملتوں کے لیے، باعزت قوموں کے لیے، غیرت مند قوموں کے لیے اقلیت اور اکثریت کا سوال نہیں آتا آج کسی پارسی کو مار کر دیکھیے، آج کسی اینگلو انڈین کو مار کر دیکھیے، آج کسی سکھ کو پوچھ کر کے دیکھیے، کہنے کو یہ اقلیت ہیں، پنجاب بنالیا، انہوں نے اپنے ایثار کی بدولت ایک صوبہ بنالیا، ایک لسانی صوبہ بنالیا، اور آپ اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکتے، کس دن آپ کا یہ سرمایہ کام آئے گا، کیا آپ یہ دیکھ کر کہ اتنی بڑی فرم اتنی جگہ اور یہ آپ کی چار جگہ دکانیں ہیں، یہ دیکھ دیکھ کر آپ پھول رہے ہیں اگر ان چیزوں سے اسلام کا فائدہ ہوتا، ملت کا فائدہ ہوتا تو ہم سے زیادہ خوش ہونے والا کوئی نہیں تھا، اب کیا ہم پر رعب جماتے ہو کہ اتنے بڑے سرمایہ دار ہو، تجارت دور دور پھیلا رہے ہو، اگر ملت کے لیے یہ سرمایہ دار بے حس نہ ہوتے، بے غیرت نہ ہوتے، کم ہمت نہ ہوتے، پست ہمت نہ ہوتے تو آج یہ ملت اتنی ذلیل نہ ہوتی۔

فسادات کا اصل علاج

آپ فساد کا ہم سے علاج پوچھتے ہیں، فساد کا علاج یہ ہے کہ اپنے پیسہ کو اپنا پیسہ نہ سمجھیے
فساد کا علاج فرقہ وارانہ فساد کا علاج یہ کہ جو زبان آپ کے خلاف چلے اس کو پکڑ لینے کی آپ میں
طاقت ہو، فساد کا علاج یہ ہے کہ آپ کے خلاف جو ہاتھ بڑھے اس ہاتھ کو پکڑنے کی ہمت آپ کے
اندر ہو، کیونکہ یہ ہاتھ مسلمانوں کے خلاف اٹھ رہا ہے! اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو آپ نہیں
بچ سکیں گے۔ یہ تعاون کا زمانہ ہے، ایثار کے ذریعہ پیسہ خرچ کر کے اپنی ملت کو مضبوط بنانے کا۔

بہت افسوس ہے اور بہت درد کے ساتھ مجھے یہ باتیں کہنی پڑ رہی ہیں، آپ سے میں نے
یہ باتیں کانپور میں کہیں، یہ باتیں رنگون میں کہیں، میں رنگون ۱۹۶۰ء میں گیا تھا جب میں کا ٹکٹ
آیا اور آپ بھائیوں سے ملا تو رنگون ہو کر آیا تھا، میں نے رنگون میں کہا کہ میں صاحب کشف
نہیں، صاحب الہام نہیں ہوں، میں ایک بہت ہی گناہ گار انسان ہوں، خدا جس سے سچ بات
کہلوائے، میں نے ان سے کہا وہ لکھ پتی لوگ تھے، دعوتیں کرتے تھے، استقبال کرتے تھے ہم سے
بڑی محبت کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ ان میں یہ روگ ہے میں نے کہا کہ اگر تم تبلیغ میں نہ
نکلے راہ خدا میں نہ نکلے اگر تم نے اپنے مال میں سے خدا کا حصہ نہ دیا، ملت کے مسائل، ملت
کے مفاد کے لیے پیسہ نہ دیا تو یاد رکھو تمہاری دو کانوں پر سیل پڑے گی اور تمہارے بل ضبط کر
لیے جائیں گے اور تمہارا تھوڑا گزارہ لگا دیا جائے گا اگر دین کے تقاضے پورے نہیں کیے تو
خدا تم پر عذاب مسلط کرے گا آپ یقین مانیے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں، میں بالکل بھول گیا جو
کچھ وہاں کہہ کر آیا تھا، اب آیا وہ زمانہ کہ قومی حکومت قائم ہوئی، وہاں سے خط آتے تھے، وہ
خط کیا تھے، وہ خط آنسو ہوتے تھے ان خطوں میں لکھا ہوا تھا کہ مولانا آپ نے جو باتیں ارشاد
فرمائی تھیں ان کو سن کر ان کو بار بار پڑھ کر برما کے مسلمان روتے ہیں، جب میں وہاں تھا تو جب

اعلان ہوتا کہ مولانا ابوالحسن علی کی تقریر فلاں اسٹریٹ میں ہوگی تو مجمع جمع ہو جاتا، میری تقریریں چند اصحاب نے نقل کر کے بھیج دی ہیں اس کی چند سطریں پڑھ کر مجھے خود تعجب ہوا کہ میں نے کس حال میں یہ باتیں کہہ ڈالیں۔

میرے دوستو! میں آپ کو بدشگونی نہیں کرتا، آپ کو اللہ حفاظت میں رکھے آپ کے مال کی حفاظت فرمائے آپ کو امن وامان میں رکھے لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے یہ طریقہ بڑا خطرناک طریقہ ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

اے ایمان لانے والو! قبول کرو اللہ کی دعوت کو اور اس کی پکار کو جب وہ بلائے، اس چیز کے لیے جو تم کو زندہ کر دے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل نہیں ہوتا، لیکن ہماری حالت کیا ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اور کبھی آتی بھی ہے تو موقعہ نہیں، ذریعہ نہیں ہوتا۔

بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

میں صاف کہتا ہوں بھٹکل کے مسلمانوں کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے وہ ملت کی فکر

کریں، ملت کی حفاظت کریں، یہ ٹکڑیاں یہ بٹے یہ نوائط یہ ملت نہیں ہے، سارے مسلمان ہندوستان کی فکر کریں اور جو مسلمانوں کے مسائل ہیں ان کو حل کرنے کی کوشش کریں، اس میں حصہ لیں، اس کو مضبوط کریں، اس کو پھیلائیں اور اپنے غیر مسلم دوستوں کو تعارف کرائیں، اسلام کا پیغام پہونچائیں، اپنی زندگی سے ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کریں اپنے اخلاق سے ان کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈالیں، ان کو اپنے سے مانوس کریں، نفرت اور عداوت ان کے دل سے دور کریں اگر یہ سب آپ لوگ کریں گے تو محفوظ رہیں گے ورنہ ایک بھٹکل کے مسلمان کیا ایک دکن کے مسلمان کیا، ریاست میسور کے مسلمان کیا، سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے ایشیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ مشرق وسطیٰ میں جو اتنا بڑا زلزلہ آیا یہ کس بات کا نتیجہ تھا، سرمایہ دار اور سرمایہ پرست بادشاہ جن کو خدا نے سب کچھ دیا تھا وہ نفس پرست تھے، وہ ایثار نہیں جانتے تھے، جفاکشی بھول چکے تھے، سادہ زندگی کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے AIR CONDI-TION ایرکنڈیشن میں رہنا TELEVISION ٹیلی ویژن سے ہر وقت راز و نیاز یہ ان کی زندگی کا طور طریقہ، پچیس لاکھ یہودیوں نے جو مٹھی بھر تھے، سارے عربوں کو یعنی دس کروڑ عربوں کو ذلیل کر کے رکھ دیا اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو ذلیل کر دیا، یہ اسی امارت کی محبت کا نتیجہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ " ایک زمانہ آئے گا تم پر وَہن مسلط کر دیا جائے گا، کمزوری مسلط کر دی جائے گی، صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وَہن کس کو کہتے ہیں؟ رسول اللہؐ نے فرمایا زندگی سے محبت اور موت سے نفرت۔ دوستو! یہی تو اب ہو رہا ہے، یہی تو ہے آج کے مسلمانوں کا مرض۔ یاد رکھیے کہ کسی قوم میں خالی بڑے بڑے تاجروں، لکھ پتیوں اور کروڑ پتیوں کا ہونا بالکل کافی نہیں ہوگا، اور تم جانتے ہو کہ جب اس قوم پر کوئی خطرہ کوئی مصیبت آتی ہے تو یہی طبقہ اس کا نشانہ بنتا ہے تاک تاک کر وہ نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔

خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کریں

اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے، قیامت تک محفوظ رکھے، دل سے کہتا ہوں، خدا نخواستہ کوئی برا وقت آیا تو آپ کا یہ سرمایہ دھن دولت کام نہ آئے گی۔ یہ پنجاب میں کام نہیں آیا، جبل پور اور جمشید پور میں کام نہیں آیا۔ رڑکیلا کے فساد کے کچھ دن بعد میں نے جا کر دیکھا وہاں مسلمانوں میں بڑے بڑے ٹھیکدار تھے، جن کے لاکھوں روپے کے ٹھیکے تھے، معلوم ہوا کہ فسادیوں نے ان کے روپیوں پہ ہاتھ صاف کیا، سب سے پہلے ان کی جلی ہوئی موٹریں میں نے دیکھیں، ان کے بنگلوں کے سامنے، ان کی جلی ہوئی کوٹھیاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں جھونپڑیوں میں رہنے والے یہ غریب تو بچ جائیں گے، ان کو مار کر کے کوئی کیا لے گا، کسی کا کیا بھرے گا، مجھے ڈر ہے آپ لوگوں کا، اگر ملّت مضبوط نہیں ہے، اگر ملت کے مسائل حل نہیں ہوتے، ملّت کے ادارے ٹھیک سے نہیں چلتے، آپ نے مسلمانوں کو اپنے سینے سے نہیں لگایا اگر آپ نے مسلمانوں کو ہمدرد نہیں بنایا تو وہ آپ کے کس طرح شریک ہو سکتے اور آپ کے ساتھ ہمدردی کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ نے ان کے دلوں کو نہیں جیتا تو وہ آپ سے کیسے محبت کرتے؟ دیکھیے آپ کی حفاظت کرنے والی پولس نہیں ہے، آپ کی حفاظت کرنے والے ہوم گارڈ نہیں ہیں۔ آپ کی حفاظت کرنے والی فوج نہیں ہے۔ ان تینوں نے مل کر رانچی کے مسلمانوں کو قتل کیا، اور انھوں نے ہی وہاں فساد کرایا، اور کیا آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کا خدا ہے، آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کے اعمال ہیں، آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کا جذبۂ ایثار ہے آپ کی حفاظت کرنے والی وہ دولت ہے حلال کمائی کی جو آپ پھیلا دیں اپنا فدائی بنا لیں اپنے اندر خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کر لیں تو آپ کی حفاظت ہو گی۔

زخمی دلوں پر مرہم رکھیے!

میرے دوستو! میں آپ کا مہمان ہوں مجھے اتنی تیز تقریر نہیں کرنی چاہیے مگر میں کیا کروں، میں تو آپ کی ہمدردی اور محبت میں یہ باتیں کہہ رہا ہوں، اس بات کو میں آپ سے ہمدردی سمجھتا ہوں، آپ اپنی حفاظت کا سامان کیجیے، آپ کی دکانیں، فرمیں، یہ بینک کے حسابات یہ سب سے زیادہ کمزور چیزیں ہیں، دنیا پہلے تو انہیں چیزوں پر آنا چاہتی ہے، سب سے پہلے زکوٰۃ نکالیے، پھر سوچیے، خیرات کیجیے، لوگوں کے ساتھ ہمدردی کیجیے، لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھیے تاکہ ان کی دعائیں آپ کے شریک حال رہیں، کسی نے سلطان نور الدین زنگی سے کہا "آپ تو اپنی دولت اتنی زیادہ غریبوں پر خرچ کرتے ہیں۔ بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں اور بوڑھے مسافروں اور درویشوں پر اتنا زیادہ خرچ کرتے ہیں، جب لڑائی ہوگی تو یہ چیز کس کام آئے گی؟" سلطان نے کہا "بھائی! کام تو انہیں لوگوں کی دعاؤں سے ہوگا اور مجھے تو انھیں کی دعاؤں کا آسرا ہے ان کی دعاؤں سے دشمنوں کے کلیجے چھلنی ہو جائیں گے"! چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان لوگوں کی دعاؤں سے نور الدین کو فتح نصیب ہوئی۔ میں آپ سے سچ سچ کہتا ہوں، میں چلا جاؤں گا یہاں سے، اور خدا کے فضل سے کسی ادارے کے لیے چندہ لینے نہیں آیا ہوں اور یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اس کے لیے نہیں آؤں گا۔ اس ملک کے لیے، مسلمانوں کے لیے اور اپنے لیے، آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ خدارا اپنے آپ کو پہچانیے! ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی　　تو اگر میرا نہ بنتا نہ بن اپنا تو بن

حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

اپنے مسائل کو حل کرو، اپنے اداروں کو چلاؤ، اپنے اوقات کو اللہ کی راہ میں نکالو،

اپنی جان کا اپنے کو مالک نہ سمجھو، خدا کو مالک سمجھو. خدا کے دین کا حصہ سب میں غالب رکھو، خدا کی راہ میں نکلو، خدا کی راہ میں خرچ کرو اور خدا کی راہ میں تکلیف اٹھاؤ، انشاء اللہ پھولو گے پھلو گے اور تمہارا علاقہ بھی انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ یہ میں اس لیے نہیں کہتا کہ مجھے کوئی کمیشن ملے گا، کوئی ایجنسی میرے اور منیری صاحب کے درمیان یا جامعہ والوں کے درمیان طے نہیں ہوا میں اس لیے کہتا ہوں کہ میں نے تاریخ پڑھی ہے، میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے۔ حفاظت صرف خدا کی حفاظت ہے، اور اس سے بڑھ کر قرآن شریف کہتا ہے کہ اچھے اعمال سے حفاظت ہوتی ہے. اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ط اگر تم خدا کی مدد کرتے ہو تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ خدا ہی تمہارا بہترین انشورنس ہے ان انشورنس کمپنیوں کی کیا حقیقت ہے کہ ان پر انشورنس کریں، خدا کے یہاں اپنی فرموں کا، اپنی جانوں کا، اپنی اولاد کا، اپنے مال کا، اپنی عزت کا انشورنس بنا دیجیے اور خدا کے یہاں مال کا انشورنس کیسے ہوتا ہے اپنے مال کو قیمتی بنا دیجیے تاکہ کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے، اپنی جان کو قیمتی بنا دیجیے اور قیمت کیسے پیدا ہوتی ہے، خدا کے دین کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے، خدا سے تعلق پیدا کر لیجیے، جو ہاتھ بھی آپ کے خلاف بڑھے گا وہ کاٹ کر رکھ دیا جائے گا، آپ دیکھیے بادشاہ کی کسی چیز پر کوئی ہاتھ اٹھائے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے، یہ ساٹھ ستر روپے کا سپاہی وہ پولس جو کھڑا ہے اس کو ذرا چھیڑ کر کے دیکھیے کیا ہوگا، سرکار مشتعل ہو جائے گی، آپ کے لیے اس کا پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا، یہ ڈاکیہ یہ پوسٹ مین جو آتا ہے اس کی تنخواہ ہی کیا ہے، آپ میں سے ہر ایک ایسے دس پانچ ملازم رکھ سکتے ہیں اپنی دوکان میں، اس کا کپڑا پھاڑ لیجیے، اس کی تھیلی چھین لیجیے پھر دیکھیے کیا ہوگا، یہ آن گورنمنٹ ڈیوٹی ہے، آپ بھی آن گورنمنٹ سروس مین بن جائیے، آپ بھی اللہ کے فرض میں لگ جائیے، اس کی خدمت میں لگ جائیے

اس کے دین کی خدمت میں لگ جائیے، ایک زمانہ تھا کہ کسی خط پہ (آن ہز میجسٹی سروس) لکھا ہوتا تھا تو یہ خط بڑا معزز ہوتا تھا جس میں یہ جملہ ON HIS MEJESTY'S SERVICE لکھا ہوتا تھا تو یہ (HIS MEJESTYS) آپ کے لیے کیا ہے، خدا کے سوا کون اس کا مستحق ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

آپ شہنشاہِ مطلق اس مالک الملک کی خدمت میں لگ جائیں گے تو دیکھیے آپ کی جان و مال سب کا تحفظ ہو جائے گا اگر عزت چاہتے ہو اگر دولت چاہتے ہو تو اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں، یہ راستہ مسلمانوں کو اس نے بتایا ہے جس کو مسلمانوں سے بے حد محبت تھی، ہر چیز سے زیادہ محبت تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی محبت۔

جان و مال کی قربانی سے ملّت کی حفاظت

بس راستہ دو چیزوں پر منحصر ہے، مال کا ایثار اور جان کا ایثار، جان دینے کی ضرورت نہیں، اپنے اوقات لگاؤ، تبلیغ کرو، خدا کے راستہ میں پھرو، اپنے اصول کی زندگی سے اترو، کچھ تکلیف اٹھاؤ، کچھ جفاکشی کا راستہ اختیار کرو اور ملّت کے جو مسائل ہیں ان مسائل کو حل کرنے میں ہاتھ بٹاؤ، جامعہ اسلامیہ کا اتنا بڑا منصوبہ ہے، دس ہزار فلاں نے دیا، پانچ ہزار فلاں خاتون نے دیا، یہ ہزار دس ہزار کا کیا اعلان، اس وقت تک ایک لاکھ کا اعلان ہونا چاہیے تھا، یہ جامعہ جب بن جائے گا، آپ رہیں یا نہ رہیں جامعہ رہے گا، آپ کے بچے وہاں پڑھیں گے، وہاں اسلام کے قیام کے لیے نظام بن رہا ہے، یہ قلعہ اسلام کا قلعہ بن رہا ہے

وہ قلعہ آپ سب کی حفاظت کرے گا۔

زمانہ کی نبض کو پہچانئے

میرے دوستو! اور بھائیو! اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کرو، خدا کے غصہ کو کھینچنے والی خواہ وہ حرام شئے ہو، خواہ وہ حرام مشاغل ہوں ان سب کو چھوڑو، توبہ کرو، یہ بغاوت کی زندگی ختم کرو، وفاداری اور فرماں برداری کی زندگی شروع کرو،

انصاف پسندی پر عمل کرو، پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، یہ کشمکش کی زندگی چھوڑ دو اور ایک مسلمان کی زندگی اختیار کر لو، یہ دنیا فانی ہے، یہ دنیا محدود ہے، ہزاروں لوگ لگے ہوئے ہیں اس دنیا کو، آخرت کو یاد رکھو، موت کو یاد کرو، قبر کو ایک حقیقی منزل سمجھو، اپنے سفر کی پہلی منزل اور حقیقی منزل سمجھو اس کی تیاری کرو اور روزانہ استغفار کی کثرت کرو یہ جو عذاب آرہے ہیں، جو مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں، ان کا علاج یہ ہے کہ وہ استغفار کی کثرت کریں، ایثار سے کام لیں، اپنے پیسے کو اپنی خواہشات کے پیچھے صرف نہ کریں بلکہ خدا اور اور رسول کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے اور ملت کے کاموں میں صرف کریں، ان کے دل کی دعائیں حاصل کریں، نمازوں کی پابندی کریں، قرآن شریف کو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے کیا حکم ہے، اس کو اختیار کریں، دین کا ضروری علم حاصل کریں اللہ سے لو لگائیں اور جہاں تک ہو سکے پاکبازی تقویٰ کی زندگی اور خدا ترسی اختیار کریں، اگر مسلمان تقویٰ کی زندگی اختیار کریں گے تو آسمان سے اللہ کی رحمتوں کی بارشیں ہوں گی، وہ بارشیں نہیں جو آپ کو پریشان کردیں، یہ وقت بے وقت کی بارشیں، یہ ہمارے اعمال کی سزائیں ہیں، اس کا ایک ایک قطرہ ہمارے اعمال کی سزا ہے۔ دوستو! میں یہی سچی بات آپ سے کہتا ہوں، میں نے آپ کو

قصے نہیں سُنائے، قصّے بہت کچھ سُنا سکتا تھا، اشعار پڑھ سکتا تھا، آپ لوگوں کو خوش کر سکتا تھا لیکن میں نے قصداً ایسا نہیں کیا، یاد رکھیے کہ اگر ہندوستان میں تم کو عزت کی زندگی گذارنا ہے ایمان کی زندگی گذارنا ہے اور اپنی نسلوں کو آئندہ ہندوستان میں مسلمان رکھنا ہے اور آزادی کے ساتھ خدا کا نام لینا ہے اور اسلام کا کام کرنا ہے تو ایثار کرنا پڑے گا، خلاف شرع کاروبار اور دین کے کام کے لیے چار پیسے!! جان لو اس طرح کسی کو عزت نہیں مل سکتی، اس طرح خدا کی رحمت سے خدانخواستہ آپ محروم ہوں گے ___ پارسیوں کو جو عزت حاصل ہے وہ ٹاٹا اور واڈیا سے نہیں ملی۔ ان لوگوں کی ہمّت اور ارادے کی بلندی اور مضبوطی سے ملی اور یہ روئی کی بنی ہوئی قوم جو کوئی صدمہ، کوئی چوٹ برداشت نہ کر سکے، کوئی سخت سُست بات سُن نہ سکے، یہ قوم کیا اس ملک میں عزت پا سکتی ہے؟ بالکل نہیں پا سکتی، خالی نمائشی باتوں سے عزت نہیں ملا کرتی، ایسی دینی مجلسیں منعقد کر دینے سے اور کچھ یتیم خانے قائم کر دینے سے عزت نہیں ملتی۔ عزیزو! ملّت کے تقاضوں کو سمجھو! زمانہ تم سے کس بات کو چاہتا ہے، ہندوستان کا رنگ کیا ہے اور کیا اشارہ کر رہا ہے، زمانہ کس طرف اشارہ کر رہا ہے، زمانہ کی نبض کو پہچانو، جہاں ایثار کی ضرورت ہو وہاں ایثار کرو، جہاں وقت کی ضرورت ہے وہاں وقت کی قربانی کرو، جہاں جم جانے کی ضرورت ہے وہاں جم جاؤ، جہاں طرح دینے کی ضرورت ہے وہاں طرح دے جاؤ، یہ نہیں کہ جمنے کی جگہ پہ نرم ہو گئے اور نرم ہونے کی جگہ پر جم گئے، لوہا بن گئے، ملّت کی جو قیادت وجود میں آئی ہے تم اس کی بات کو مانو، تم اس کے ساتھ تعاون کرو، پھر دیکھو تمہارا مقام ہندوستان میں محفوظ ہے۔

عزّت کے ساتھ جینے کا راستہ کیا ہے

اے بھٹکل کے باشندو! اے نوائط قوم کے چشم و چراغ تمہارے بزرگ یہاں کے لوگوں

کے پاس اسلام کا پیغام لے کر آئے وہ تو بتیس دانتوں میں ایک زبان کی حیثیت رکھتے تھے، کوئی ان کا سازو سامان نہیں تھا، کوئی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اور ان کا کوئی دوست نہیں تھا لیکن ان کی باتوں کا وزن تھا، اور تم ہو اور اتنی بڑی تمہاری تعداد ہے لیکن تمہارا کوئی وزن نہیں ہے، تم یہاں قریب قریب پچاس فیصد ہو، یہاں تمہاری کتنی تعلیم گاہیں ہونی چاہیے تھیں، تمہارا یہاں تہذیب کا قلعہ ہونا چاہیے تھا، روشنی کا ایک مینار ہونا چاہیے تھا، وہ اس سے بھی بہت زیادہ دور سے نظر آتا جو کہا جاتا۔ کہ یہاں ایک روشنی کا مینارہ ہے، اللہ نے تم کو بہت کچھ دیا ہے، میں نے تم کو کالی کٹ میں دیکھا ہے، میں تم سے ناواقف نہیں ہوں، میں نے تم کو مدراس میں دیکھا ہے اور میں نے تمہارے متعلق کولمبو میں بھی سنا ہے اور ایسی ایک کاروباری قوم اور ملت کے مسائل کو حل کر کے نہ رکھ سکے، کوئی عقل اس بات کو مان نہیں سکتی جو اتنا بڑا اس کا کوئی ملی ادارہ اور ملی مسئلہ ادھورا پڑا ہوا ہے، کیا بات ہے، کیا راز ہے اس کا۔ ایک دن میں یہ مسئلہ حل ہو جانا چاہیے، تمہارا نام یہاں ایک ضرب المثل ہونا چاہیے۔ تمہاری قومی زبان نوایطی زبان میں لٹریچر ہونا چاہیے، واقعی جامعہ اسلامیہ ایک ایسا مرکزی ادارہ ہوتا جو دکن میں ایک بڑا ادارہ مانا جاتا، تمہارے یہاں سے تم سارے دکن کو برابر غذا پہنچاتے، مسلمانوں کے اداروں کو اور جگہ کے مسلمانوں کے اداروں کو تم سے غذا ملتی وہ تو میں کہتا نہیں، کم از کم اپنے ہی مقامی مسائل کو حل کرو اور مقامی ضروریات کو پورا کرو۔ یہاں ملت کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرو، میں سمجھتا ہوں آپ میری بات کو سمجھ گئے ہوں گے، ہمارا دماغ، ہمارا علم ہم کو غلط رہنمائی دے سکتا ہے، ہم کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن خدا کے پیغمبر ہم کو دھوکا نہیں دے سکتے، وہ تو ہم کو جینے اور عزت پانے کا راستہ بتاتے ہیں اگر اس راستہ پر چلو گے تو عزت پاؤ گے، پھلو گے، پھولو گے، تمہارا نام روشن ہوگا، تمہارے خلاف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی دیکھ نہ سکے گا جو آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو وہ آنکھ نکال دی جائے گی جو انگلی تمہاری طرف اٹھے گی

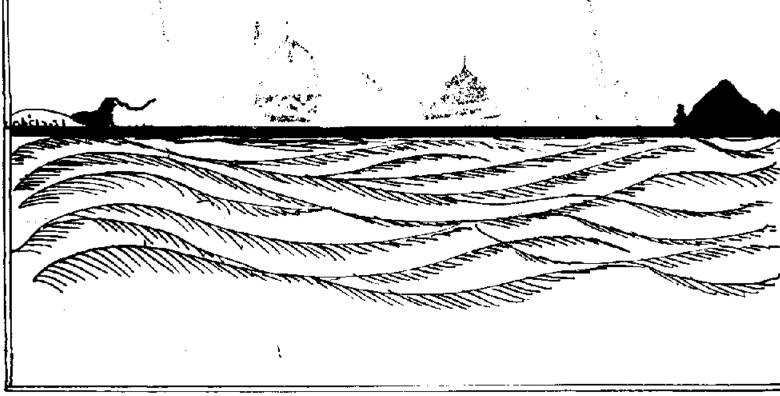
وہ قلم کردی جائے گی اور تم خدا کی مسلسل حفاظت میں رہوگے، ہاں اگر من مانی زندگی گذاروگے نفس کے غلام بنوگے، محض اپنی اولاد کو دیکھوگے اور کسی کو نہیں دیکھوگے، محض اپنی دکانوں اور فرموں کو دیکھوگے، جب ایسی حالت ہوگی، یاد رکھو خدا کے یہاں تمہاری دو کوڑی کی بھی قیمت نہیں ہوگی، ایک لہر تمہاری چیزوں کو بہا کر لے جائے گی۔ پتہ نہیں چلے گا کہ وہ سب کہاں چلا گیا، پیسہ تم کو بچا نہیں سکتا، دولت تم کو بچا نہیں سکتی، تم کو اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو اللہ سے وفاداری ہے اور ایثار و قربانی ہے، میں تو کہہ کر چلا جاؤں گا مگر تم میں سے ہر شخص کے دل میں یہ بات امانت ہے وہ تمہارے دل کے اندر رہے گی، تمہارے حافظے کے اندر رہے گی، خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے گا جب کہ تمہارے دل و دماغ پکار کر کہیں گے کہ کہنے والے کسی نے کہا تھا کہ نہیں۔

میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ آپ کی عزت رکھے، آپ کو ترقی دے، ہر خطرے سے، ہر بُری نظر سے محفوظ رکھے، میں صرف یہی کہوں گا کہ بچاؤ کا راستہ صرف پیغمبروں کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ ایثار کرو، مال خیرات کرو، ایثار کے ذریعہ اوقات کے ذریعہ اللہ کو خوش کرو، اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پیام راہ

دوسری دفعہ بھٹکل آمد کے موقع پر اساتذہ وطلباء اور
منتظمین جامعہ
سے حضرت مولانا دامت برکاتہم کا
خصوصی خطاب جو ہر مدرسہ و دینی ادارہ
سے
تعلق رکھنے والے فرد کے لئے
پیام راہ
کی حیثیت رکھتا ہے۔



علم کا بھی ایک قانون ہے

بعد حمد و صلاۃ :

صحیح راہ کی ضرورت میرے عزیزو اور بھائیو! آپ کو شاید معلوم ہو یا نہ معلوم ہو جو لوگ تفسیر پڑھتے ہیں اور ان کی تفسیر کی کتاب شروع ہو چکی ہے یا کم سے کم سورہ بقرہ اور اس کا ترجمہ و تفسیر انھوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ جاہلیت میں جو لوگ حج کو نکلتے تھے ان کا ایک عرف اور ضابطہ یہ بن گیا تھا جو خود ساختہ تھا شریعت میں نہیں تھا لیکن انھوں نے اپنی طرف سے اپنے اوپر ایک پابندی عائد کر لی تھی کہ جب تک کہ حج سے فارغ نہ ہوں حج کے ارکان میں مشغول ہوں اور اس دوران اگر ضرورت ہو گھر آنے کی کوئی بات کہنے کی تو گھر کے دروازے سے نہ آئیں کہ ابھی تو اللہ کے گھر سے ہو کر نہیں آئے تو اپنے گھر میں قاعدے سے کیسے داخل ہوں تو چھتوں پر سے یا دیواروں کی طرف سے من ظہورھا پشت سے وہ گھر میں آیا کرتے تھے اور اس کو وہ بڑی نیکی کا کام سمجھتے تھے کہ اس میں بیت اللہ کا ادب و احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لیس البر أن تاتوا البیوت من ظہورھا" یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم گھروں میں پشت کی طرف سے آؤ "ولکن البر من اتقی وأتوا البیوت من ابوابھا"۔ گھروں میں گھروں کے دروازوں سے آؤ یہی قاعدہ ہے اور یہی عقل سلیم اور ذوق سلیم کی بات ہے، اور قانون قدرت ہے کہ جس چیز کا جو مدخل ہے اس سے آدمی آئے، قرآن مجید تو پوری زندگی کی کتاب اور پوری زندگی کے لئے کتاب ہدایت ہے ہر طبقہ کے لئے ہر شغلہ

ہر میدان اور ہر مرحلہ کے لئے وہ ایک دستور العمل اور ایک ہدایت نامہ کا کام دیتا ہے قرآن کے یہ دو لفظ بڑے اہم ہیں "وأتوا البیوت من ابوابہا" یہ پوری زندگی پر حاوی ہے اس میں پوری زندگی کی حکمت بتادی گئی یہ صرف گھر کا معاملہ نہیں ہر چیز کا معاملہ یہی ہے کہ جو اس کا دروازہ ہے اس دروازہ سے آنا چاہئے اگر کوئی شخص پیشہ سیکھنا چاہے کوئی صنعت سیکھنا چاہے لیکن صنعت کے استاذوں سے نہ سیکھے اور صنعت کے آداب کا خیال نہ کرے اور صنعت کے اوزار مہیا نہ کرے اور تدریج کے ساتھ درجہ بدرجہ مرحلہ وار اس کو نہ سیکھے اور یہاں تک کہ ان کی وردی استعمال نہ کرے، لوہاروں کی ایک وردی ہے اور سقاؤں کی ایک وردی ہے سپاہیوں کی ایک وردی ہے اور ڈاکٹروں کی ایک وردی ہے تو وہ وردی تک بعض اوقات ضروری ہوتی ہے ورنہ وہ اپنے پیشہ میں کامیاب نہیں ہوگا اس کو پیشہ نہیں آئے گا فن نہیں آئے گا تو جب یہ معمولی چیزوں کا حال ہے اگر کوئی کہتا ہے کہ فضول باتیں ہیں ہمیں لوہاری کا فن سیکھنا ہے یا ہمیں فوج میں بھرتی ہونا ہے لیکن وردی کا جھگڑا ہم مول نہیں لیتے یہ پہنو وہ نہ پہنو اور صاحب لیفٹ رائٹ LEFT، RIGHT فضول بات ہے ہم اپنی ذہانت سے کام لیں گے ہم دوسرا طرز ایجاد کریں گے وہ یوں ہی رہ جائیگا اچھا سپاہی بن نہیں سکتا ایسے ہی لوہار نہیں بن سکتا نجار (کارپینٹر) نہیں بن سکتا اس کے لئے بھی "وأتوا البیوت من ابوابہا" کی ضرورت ہے جو اس کا دروازہ ہے ادھر ہی سے آؤ۔

یہ "وأتوا البیوت من ابوابہا" ساری زندگی دین و دنیا سب پر حاوی ہے کہ اللہ نے اور فطرت انسانی نے، فطرت سلیم نے سالوں سال کے تجربہ سے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جو اس کے مداخل اور مخارج ہیں اگر کوئی شخص اس کا پابند نہ ہو ان کا کوئی احترام نہ کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکتا۔ ایک شخص کہے کہ حروف تہجی کا جھگڑا عجیب ہے اب ت، کا کون جھگڑا مول لے کہ پہلے الف ب ت پڑھے ہم براہ راست پڑھنا شروع کردیتے ہیں تو وہ

کتنا ہی ذہین ہو کبھی اس کو پڑھنا نہیں آئے گا جو ا ب ت نہیں پہچانتا یا A. B. C. D. نہیں پہچانتا وہ کبھی ایک سیکنڈ نہیں بول سکتا آپ کسی وقت بھی تجربہ کر کے دیکھئے کہ آپ کے زمانے کا کوئی بقراط سقراط ہو جو پڑھا ہوا نہ ہو خواندہ نہ ہو، آپ اس کو ایک کتاب دیجئے، اردو کی دیجئے، یا انگریزی کی دیجئے، یا عربی کی دیجئے، یا یہیں کی کنٹر زبان کی دے دیجئے، اور کہئے کہ رات بھر نہیں آپ کو ایک مہینہ کی مہلت دی جاتی ہے آپ کے پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں جائے گا۔ یہ کتاب ہے اور آپ ہیں، ہم آپ کو کمرے میں بند کر دیتے ہیں تالہ لگا دیتے ہیں کھانے پینے کا سب سامان کھڑکی سے ہم پہونچاتے ہیں اور وہاں پہلے سے موجود ہے زندگی کی سب ضروریات ہیں ایک مہینہ نہیں چھ مہینے آپ اس میں رہئے، اور یہ صفحہ حل کر دیجئے، اس صفحہ کو آپ پڑھ دیجئے، اور اس نے حروف تہجی نہیں پڑھے تو آپ یقین مانئے کہ جب وہ نکلے گا تو ویسے ہی جاہل ہوگا جیسے وہ داخل ہوا تھا اس لئے کہ "وأتوا البيوت من أبوابها" پر اس نے عمل نہیں کیا، حروف تہجی بڑے حقیر ہیں کیا حقیقت ہے، ا ب ت بچوں کو پڑھایا جاتا ہے لیکن بڑے بڑے علامہ امام غزالیؒ امام رازیؒ بھی محتاج تھے کہ پہلے حروف تہجی پڑھیں پھر احیاء علوم الدین اور تفسیر رازی تک پہونچیں وہ احیاء علوم اور تفسیر رازی تک ہرگز نہیں پہونچ سکتے اگر انھوں نے حروف تہجی نہ پڑھے ہوتے، ایسے ہی ہر فن کا ہر علم کا ہر شعبہ کا ایک قانون ہے اس قانون پر چلنا ہوگا۔ یہ ہمارا علم اوّل تو مجرد علم ہے مجرد علم کا حال بھی یہی ہے کہ بہت سی چیزیں تو اس میں مشترک ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری دنیا الگ ہے ان کی دنیا الگ لیکن آپ دیکھیں گے تو زیادہ حصہ دنیاوی اور دینی تعلیم میں مشترک ہے مثلاً درجہ بدرجہ پڑھنا استاد سے پڑھنا محنت کرنا استاد کا احترام کرنا۔

یورپ میں استاد و شاگرد بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یورپ وغیرہ میں استادوں کا کوئی احترام کرنا نہیں جانتا یہ آپ یہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں پر قیاس

نہ کہئے گا یہ نہ مشرق کے ہیں اور نہ مغرب کے اور نہ دنیا کے اور نہ دین کے یہ تو کچھ نہیں یہ تو خودرو ہیں جنگلی درخت ہیں میں یورپ گیا ہوں میں نے وہاں کی یونیورسٹیاں دیکھیں مجھے تو حیرت ہوگئی کہ میں کیمبرج آکسفورڈ گیا ضرورت کے لئے بتاتا ہوں آپ کو کہ وہاں معلوم ہوا کہ وہاں ابتک ٹیٹوریل سسٹم جاری ہے ایک استاد کو اتالیق بنالینا۔ جب آپ کسی آفس میں چلے جائیں اور آپ داخلہ کرائیں بی اے اور ایم اے میں تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کس استاذ کا انتخاب کرتے ہیں آپ کا مشیر کون ہوگا۔ تو بتانا پڑتا ہے کہ فلاں استاد فلاں پروفیسر کی نگرانی میں اور اس کے مشورہ سے علم حاصل کرنا ہے۔ پھر اس پروفیسر سے بالکل ایسا تعلق ہو جاتا ہے جیسے مرید و پیر کا تعلق ہے یعنی طالب علم اس کے مشورے سے کتابیں پڑھتا ہے کتابیں پڑھ کر نوٹس (NOTES) اس کو دکھاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ طالب علم کتاب کی صحیح اہمیت سمجھتا ہے اور اس کا جو اصل مغز لب لباب ہے اس کو لے رہا ہے پھر اس کے بعد مضمون اس کو تیار کرنا پڑتا ہے وہ بالکل اس سے ایسا وابستہ ہو جاتا ہے جیسے پہلے ہمارے مدارس میں تھا کہ ہر استاد کے ساتھ چند طلباء ہوتے تھے کہ جو بالکل مربوط ہو جاتے تھے اساتذہ سے۔

اور شعراء تک کا یہ حال تھا کہ ان کے راویہ ہوتے تھے چنانچہ تاریخ ادب میں آتا ہے کہ فلاں فلاں کا راویہ تھا یعنی اس کے اشعار کو اخذ کرنے والا یاد کر لینے والا اسنانے والا اس کے ساتھ ساتھ شامل کر لیتے تھے کہ یہ میرا راویہ ہے۔ میں نہیں قصیدہ سناؤں گا اس سے سن لو، ویسے ہی ہمارے زمانہ تک طالب علم تقسیم ہو جاتے تھے استادوں میں، چار طالب علم ایک استاد کے ساتھ لگ گئے ہیں خادم بھی ہیں وہ اس کی خدمت بھی کر رہے ہیں چلئے بنانی ہو تو چائے بنائیں گے اس کے آرام کا خیال کریں گے بازار سے اس کی چیزیں لائیں گے اور ہمارے یہاں

تو یہ بھی تھا کہ اس کا حساب کتاب بھی دے دیں گے وہ جو اس کے بعد جو کچھ لکھوائے گا اس کو لکھیں گے وہ جو مواد نکلوائے گا اس کو نکالیں گے، ہم سب لوگوں نے ایسا ہی پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ سسٹم آج تک وہاں کی اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بغیر وہ طالب علموں کو گویا قبول نہیں کرتے پہلے بتانا پڑتا ہے کہ تمہارا ٹیوٹر کون ہے یعنی تمہارا اخاص استاد کون ہے جس کے ساتھ تم وابستہ ہوگے اور اس کے مشوروں پر چلوگے یہی ہمارے علم کا حال ہے۔

علم دین کا امتیاز کچھ چیزیں تو مشترک ہیں لیکن پھر اس کے بعد ایک سرحد ایسی آتی ہے ایک ایسی لکیر آتی ہے جہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے وہ کیا مثلاً اللہ کی رضا کی طلب ہو اخلاص ہو دعا ہو خدا سے کہ اے اللہ ہم سے تو جو محنت ہو سکتی ہے ہم کریں گے اصل تو دینے والا ہے علم کا۔

حضرت امام شافعیؒ کا شعر یاد کیجئے

شکوت إلی وکیع سوء حفظی ٭ فأوصانی إلی ترک المعاصی
بان العلم نور من الٰہ ٭ ونور اللہ لا یعطی لعاصی

میں نے اپنے استاد وکیع سے شکایت کی میرا حافظہ کمزور ہے انھوں نے کہا کہ گناہوں سے اجتناب کرو بہت زیادہ گناہوں سے دور رہو اس لئے کہ علم جو اللہ کا نور ہے، اللہ کا نور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ یہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے، وہ سینما جائیں اور کسی اخلاقی کمزوری یا کسی بے راہ روی کے شکار ہو جائیں تو بھی فرق نہیں پڑتا بلکہ میرا تو خیال ہے کہ فرق پڑتا ہے، لیکن خیر مان لیا نہیں فرق پڑتا ویسے ہی وہ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہو جائیں گے فرسٹ

آئیں گے نوکری مل جائے گی لیکن فرق اس میں بھی پڑتا ہے مگر مان لیجئے کہ نہیں فرق پڑتا لیکن ہمارے یہاں تو کھلا ہوا فرق ہے کہ وہ شخص جو استاد کا ادب کرتا ہے اسکی دعائیں لیتا ہے اور اس کے ساتھ بالکل گویا بندہ جاتا ہے اس کا گویا ملازم ہو۔ آپ تاریخ میں پڑھیں گے تو معلوم ہو گا کہ بعض اوقات ایک ہی آدمی ایک استاد کے ساتھ مخصوص ہو گیا وہ بس بالکل اس کا مثنّیٰ بن گیا اور بالکل اس کے علم کو ایسا جذب کر گیا جیسے اسپنج ہوتا ہے وہ پی لیتا ہے اس طرح پی لیا اس کے علم کو پھر نچوڑ دیا اپنے شاگردوں میں۔

علم کے آداب | تو عزیزو، یہ ہمارا علم جو ہے جس علم کے طالب علم ہیں اس کے لئے یہ جامعہ قائم کیا گیا ہے یہ علم خاص آداب رکھتا ہے، یہ پہلوانی کا علم نہیں ہے کہ آدمی کہے کہ کون ہوتا ہے استاد، کیا کتابوں کا ادب، کیا پرانی دقیانوسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے ہمیں ذہن دیا ہے حافظہ دیا ہے محنت صحت ہماری اچھی ہے ہم سب کرکے دکھادیں گے نہیں ایسا نہیں بعض لوگ کم صلاحیت کے ساتھ ایسے کامیاب ہو گئے ہیں کہ دنیا میں ان کا ڈنکا بج گیا مجھے یاد ہے کہ لاہور میں ایک صاحب تھے انھوں نے غلط لائن اختیار کی تھی اور کالج میں پڑھاتے تھے ان کی ذہانت اور معقولات میں ان کی دسترس مسلّم تھی یہاں تک کہ ڈاکٹر اقبال بھی ان کو مانتے تھے لیکن جو فیض ان سے پہنچنا چاہئے تھا جو علوم و سنت کا اجرا ان سے ہونا چاہئے تھا اور جو اشاعت ہونی چاہئے تھی جو ان لوگوں میں بیٹھ کر خشیت پیدا ہونی چاہئے تھی وہ لوگوں میں پیدا نہیں ہوئی کہنے لگے کہ مولوی حسین احمد مدنی تو ہمارے ساتھ تھے تو ان کا شمار غبی طالب علموں میں تھا وہ کچھ وہاں نمایاں نہ تھے یہ بڑے نمایاں تھے ان سے کیا فیض

پہنچا ذہانت کے باوجود۔ ایسے ہی ایک صاحب کہنے لگے ارے مولوی الیاس تو جب دیکھو نفلیں پڑھتے تھے، پڑھنے کے زمانے میں نفلیں پڑھتے تھے مولوی الیاس صاحب نے کیا کر دکھلایا، دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، یہاں تک کہ امریکہ اور افریقہ میں بھی ان کی دعوت مقبول ہوئی تو بھائی بڑے تجربے کی بات بتاتا ہوں تھوڑی صلاحیت سے وہ طریقہ اختیار کرکے "وأتوا البیوت من ابوابها" پر عمل کرکے آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے جہاں وہ لوگ جن کو اپنی ذہانت پر ناز ہے اور اپنے قوت مطالعہ پر اور محنت پر وہ نہیں پہنچ سکتے ان کے پڑھنے پڑھانے میں برکت نہیں ہوگی کہ لوگوں کو نفع پہنچے علم کے ساتھ سنتوں کا اجرا ہو بدعات کا محو ہو معصیتوں سے نفرت پیدا ہو طاعت میں رغبت پیدا ہو نور آئے یہ بات پیدا نہیں ہوگی۔ یہ بات جب پیدا ہوگی کہ آدمی اس طریقہ پر عمل کرے جو استاد بتائے ایک صاحب تھے بہت بڑے علامہ، شام کے علامہ بیطار، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ اپنے استاد کے پاس نہیں جاسکے بڑی سخت سردی تھی سردی شام میں ہوتی ہے برف پڑتی ہے کہنے لگے ہم مجبور ہوگئے، دوسرے وقت گئے تو کہنے لگے کیوں نہیں آئے، ہم نے کہا سردی بہت تھی اوپر سے ایک گھڑا پانی اور ڈال دیا کہنے لگے کہ یہ سردی ہے کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے برداشت کیا اور کوئی شکایت نہیں کی اور پھر جانے لگے اب وہ علامہ بیطار بن گئے، انھوں نے خود سنایا یا ایسے ہی ایک صاحب نے ان کے ہم عصروں میں سے سنایا، تو یہ اس زمانہ کا طریقہ تھا کہ استاد خدمت بھی لیتے تھے اور پڑھاتے بھی تھے اور پھر استاد استاد ہی نہیں ہوتا تھا ایک طرح کا پیر ہوتا تھا اس کے پاس رہتے کہ نماز کیسے پڑھتا ہے کیسا خشوع وخضوع ہے سنتوں کا کہاں تک اہتمام کرتا ہے، مسجد آتا ہے تو پہلا قدم کون

رکھتا ہے، نکلتا ہے تو کون سا قدم نکالتا ہے یہ باتیں بھی سیکھتے تھے استادوں سے۔ اور اب یہ باتیں کم ہو گئیں۔

قحط الرجال کا دور آج دیکھئے کوئی غیر معمولی شخص کوئی سطح سے بلند کوئی علامہ کوئی کوہ قامت کوہ پیکر ایسی کوئی ہستی نہیں پیدا ہو رہی ہے! اس وقت کوئی امام مزنی امام نووی شیخ الاسلام ابن عبد السلام حافظ ابن حجر عسقلانی نہیں بن سکتا تو کوئی حافظ ابن حجر ہیثمی بن جائے ان جیسا ان سے دوسرے تیسرے نمبر کا ادیب بنے لیکن نہیں بن رہے ہیں لوگ یہاں سے مصر تک اور اب تو مصر بھی خالی ہے۔ اس زمانہ میں ازہر بڑے بڑے لوگ پیدا کرتا تھا بڑے فاضل لوگ راسخ العلم لوگ پیدا کرتا تھا وہاں بھی خزاں کا دور آگیا اور سیاسی اغراض اور سیاسی مقاصد نے اس کو بالکل بے اثر کر کے رکھ دیا ہے اور وہاں بھی لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں اور ہر ملک میں یہ احساس کیا جا رہا ہے کہ اب اس پایہ کے عالم پیدا نہیں ہو رہے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے درس کی پابندی، استاد کا احترام، مطالعہ کرنا، مطالعہ دیکھے بغیر نہ پڑھنا اور مولانا اشرف علی صاحب فرماتے تھے کہ طالب علموں کا شعار یہ ہو گیا ہے نہ دیکھ کر پڑھنا نہ پڑھ کر دیکھنا، دیکھ کر پڑھنا یہ مطالعہ کر کے پڑھیں گے اور پڑھ کر کے اس کو رواں کریں دیکھیں بار بار پڑھیں دونوں چیزیں ختم ہو گئیں، بس چند باتیں ہیں لمبا قصہ نہیں ہے، اگر ان پر عمل کیا جائے تو آج بھی اللہ کا قانون بھی ہے جو سیکڑوں ہزاروں برس پہلے تھا، الحمد للہ اب بھی ذہین لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کھانے کو تو دے رہا ہے پہلے لوگ کیا کھاتے تھے اور اس سے کیا ذہانت ان کی ترقی کرتی تھی، بیچاروں کو ہفتوں ہفتوں نہ گھی ملے نہ چکنائی ملے نہ فروٹ

ملے نہ گوشت، یہ سوکھی روٹی کھا کے انھوں نے اتنے بڑے بڑے کام کئے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بعض بعض ایسے گذرے ہیں کہ کھڑے ہو گئے نان بائی کی دکان پر اور روٹی توے پر ڈالنے کی جو خوشبو ہوتی ہے اس سے طاقت حاصل کی اور آکر پھر پڑھنے لگے، بس وہی بات ہے کہ "وأتوا البيوت من ابوابها" کہ بیت علم میں باب علم سے داخل ہو، باب علم کیا ہے وہی قواعد ضوابط پر چلنا احترام کرنا انظام کے ساتھ رہنا مطالعہ دیکھنا محنت کرنا اور بھائی اگر تم نے یہ کر لیا تو تم کو گے انشاء اللہ نام روشن کر دو گے اپنے ملک کا بھی اور اپنی ملت کا بھی اور نہیں تو بس شدبد ہو جائے گی مشکل سے کوئی مسئلہ بتا سکو گے کوئی کتاب پڑھا سکو گے یا علمی کام کر سکو گے میں سمجھتا ہوں کہ بس یہ کافی ہے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ شرور د آفات سے بچائے اخلاص عطا فرمائے اپنے کلام کا حاملین کلام کا اپنے سب کا احترام وادب نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

اصل مسئلہ ترجیح کا ہے

۲ر جنوری سنہ ۱۹۸۳ء

کو جامعہ اسلامیہ

بھٹکل

کے طلبہ سے مولانا مدظلہٗ کا مختصر خطاب

•

اصل مسئلہ ترجیح کا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العالمین وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خاتم النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

امابعد

اول سلام

عزیزو! جب کوئی کہیں سے آتا ہے تو پہلے سلام کرتا ہے، ہم آپ کے پاس دوڑ سے آئے ہیں، ہمیں بھی چاہیے کہ آپ کو سلام کریں، اس وقت جو میں کہہ رہا ہوں اس کی حیثیت محض سلام کی ہے باقی سلام کے بعد کلام بھی ہوتا ہے وہ شاید بعد میں ہو، میں تو اس وقت صرف ہدیہ سلام پیش کر رہا ہوں، جیسا کہ حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً (جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو، جو لوگ وہاں موجود ہوں ان کو سلام کرلیا کرو جو دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے مقرر ہوا ہے بابرکت اور عمدہ چیز ہے۔

موقعہ سے فائدہ اٹھائیے

عزیزو! آج کل عام رواج ہے، جب ادارے ہوتے ہیں تو باہر کے لوگ آتے ہیں بلائے بھی جاتے ہیں، خود بھی آتے ہیں، لیکن بہت سے آنے والوں کو اس کا خیال بھی نہیں

ہوتا کہ ہم کیوں آئے ہیں اور اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح بہت سے رہنے والوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ آمد محض ایک رسمی و رواجی آمد ہے یا اس سے کوئی دینی علمی فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے، اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہماری حیثیت اور ہمارے رفقاء کی حیثیت باہر سے آنے والے مہمانوں یا مشاہیر کی آمد یا لیڈروں کی آمد نہیں بلکہ اپنوں کی آمد ہے، اس جامعہ کا تعلق شروع سے ندوۃ العلماء اور وہاں کے کارکنوں سے رہا ہے، بلکہ حقیقت میں اس کی بنیاد ایک ندوی فاضل مولانا عبدالحمید صاحب ندوی مرحوم نے ڈالی ہے، وہ یہاں آئے، انہوں نے کچھ تعلیمی خدمت شروع کی تو یہ خدمت برگ و بار لائی، جو لوگ آج جامعہ کے روح رواں ہیں وہ زیادہ تر تو انُ ہی کے فیض یافتہ ہیں، تو گویا اس جامعہ کی بسم اللہ ہی ہوئی ندوہ کے تعلق سے، پھر اس کے بعد جب جامعہ کی بنیاد ڈال دی گئی تو ندوہ ہی کے تعلق والوں کو بلایا گیا اور اس کے بعد برابر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ ندوہ اور غیر ندوہ میں کچھ فرق ہے بلکہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ کم سے کم اس وقت جو لوگ آئے ہیں، یہ سب گھر ہی کے لوگ ہیں، ایسے ہی ہیں جیسے ایک خاندان کی شاخیں ہو جاتی ہیں کوئی قریب رہتا ہے، کوئی دور رہتا ہے، ایک شاخ کے لوگ دوسرے شاخ کے لوگوں سے ملنے جاتے ہیں، وہ ملنا خاندانی قسم کا ہوتا ہے، ویسے ہی خاندانی قسم کا سفر یہ بھی ہے اور اس میں اپنے ایک عزیز کی تقریب میں شرکت کی نیت بھی شامل ہو گئی ہے، تو آپ ہم لوگوں کو باہر کے اجنبی یا تماشا کی حیثیت سے نہ دیکھیے کہ آپ کہیں کہ فلاں بھی آیا فلاں بھی آیا، بلکہ ذہن میں یہ ہونا چاہیے کہ یہ لوگ دو چار دن رہیں گے، ان سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس پہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اب جامعہ اس درجہ کو پہنچا کہ دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں

اپنی چیز سمجھتے ہیں، اسی کے ساتھ نیت بھی درست کرنا بہت ضروری ہے اور ہماری بھی نیت یہ ہونی چاہیے کہ ہم اپنے عزیزوں سے اور اپنے خاندان کے بچوں سے ملنے آئے ہیں آپ کی بھی نیت یہ ہونی چاہیے کہ ہمارے خاندان میں کچھ بڑے کچھ ہمارے مشیر یا جن کو خدمت کا جذبہ ہے شوق ہے وہ آئے ہیں ان کے دوران قیام میں جلسے ہوں گے، تقریریں ہوں گی، عمومی خطاب ہوں گے۔ شاید ہمارے دوست منیری صاحب نے اس کا نظام بنایا ہو لیکن اس کے علاوہ ہمارے ساتھیوں سے آپ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں ان میں بعض دارالعلوم کے استاذ ہیں اور وہ آپ سے عمر میں اور تعلیم میں قریب ہیں، مناسبت رکھتے ہیں، ان میں وہ تفاوت نہیں ہے جو ہمارے آپ کے درمیان ہے آپ ان کے ساتھ زیادہ بے تکلفی سے مل بھی سکتے ہیں بات بھی کر سکتے ہیں، ان کو بتلائیے کہ آپ نے اب تک کیا پڑھا پھر ان سے پوچھیے اور مشورہ لیجیے کہ اس کے بعد کس طرح پڑھیں کس ترتیب سے پڑھیں، وہ کتابوں کا انتخاب کریں۔ ان سے کہیے کہ ہمارا فلاں مضمون کچھ کمزور ہے، کچا ہے یا فلاں مضمون سے زیادہ مناسبت نہیں، کیسے مناسبت پیدا ہو سکے گی، اس کے مبادی کیا ہیں، کس طرح شروع کریں اس سے کس طرح مناسبت پیدا کریں، سب سے پہلے اور سب سے اہم تو تفسیر، حدیث، فقہ اور صرف و نحو وغیرہ کے مضامین ہیں اس کے بعد جس کو شوق ہو وہ ادب و انشاء کے بارے میں بھی مشورہ کر سکتا ہے، اس وقت جو لوگ ہمارے ساتھ ہیں، الحمدللہ وہ لکھتے پڑھتے ہیں، ان کے مضامین چھپتے ہیں، آپ لوگ بھی دیکھتے ہوں گے، ان لوگوں سے پورا فائدہ اٹھائیے، تین چار دن وہ لوگ یہاں قیام کریں گے ان دنوں میں ذہن کو حاضر رکھیے اور اس وقت کو قیمتی سمجھیے کوشش بھی کیجیے، دعا بھی کیجیے کہ اتنی دور سے جو سفر ہوا ہے یہ مفید اور کارآمد ہو، یہ

نتیجہ خیز ہو اس لیے کہ یوں ہی کوئی اتنی دور کسی سے ملنے کے لیے نہیں جایا کرتا ہے، جب کوئی ملنے آتا ہے اتنی دور سے تو بہت غنیمت سمجھنا چاہیے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، آپ لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہیے جیسے سیاسی لوگ خوش ہوتے ہیں بڑے بڑے لیڈروں کے آنے پر۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے اساتذہ اور ماہرین فن کی آمد پر، ایسے مواقع کم ملتے ہیں اور مل جائیں تو انھیں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

ہاتھی یا علم حدیث

ایک لطیفہ سناتا ہوں ایک مرتبہ لکھنؤ سے بارہ بنکی گیا جو لکھنؤ سے پندرہ سولہ میل دور ہوگا، لکھنؤ سے میں وہاں گیا تو میرا وہاں خطاب پیام انسانیت کے سلسلہ میں تھا اور اسی روز وہاں سابق وزیر اعظم مسز گاندھی آئی ہوئی تھیں، لوگ منتشر تھے، تقسیم ہو گئے تھے، اکثر لوگ وہاں سے تماشا ہی دیکھنے کے لیے چلے گئے کیونکہ بارہ بنکی چھوٹی جگہ ہے چھوٹا ضلع ہے، اس میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی آئیں تو بڑی بات تھی، جتنے مجمع کی توقع تھی اتنا مجمع ہمارے جلسہ میں نہیں تھا، پھر بھی بہت سے لوگ آئے، وہ قابل داد تھے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں وہ حسب حال ہے، ایک مرتبہ امام مالکؒ مؤطا کا درس دے رہے تھے، مدینہ میں ایک ہاتھی آگیا اور مدینہ میں ہاتھی ہوتا نہیں عرب ہی میں ہاتھی نہیں ہوتا، شور مچ گیا، ہاتھی آیا ہاتھی۔ جاء الفیل جاء الفیل وہ ہمیشہ پڑھ رہے تھے: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ۔ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ۔ انہوں نے اور جانور تو دیکھے تھے، گھوڑا تو ان کے گھر کی چیز تھی، اونٹ بھی ان کے گھر کی چیز تھی، ہاتھی نہیں دیکھا تھا، تو بے اختیار

اور غیر ارادی طریقہ پر لوگ ہاتھی دیکھنے چلے گئے، یہ امام مالک کا حلقہ درس تھا، وہاں بہت منتخب لوگ تھے، پھر بھی لوگ ہاتھی دیکھنے چلے گئے، لیکن ان کے ایک شاگرد یحییٰ حلقۂ درس سے نہیں اٹھے، وہ امام مالک کی خدمت ہی میں بیٹھے رہے،

امام مالک نے کہا کہ اے یحییٰ تم نہیں گئے، تمہارے ملک میں بھی تو ہاتھی نہیں ہوتا، کہا ہم ہاتھی دیکھنے نہیں آئے ہیں، ہم آپ کو دیکھنے آئے ہیں، انہوں نے غالباً دعا دی اس کا نتیجہ کہ ایسا دنیا میں کم پیش آیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی وجہ سے اس سارے شمالی افریقہ میں امام مالک کا مسلک پھیلا اور اس علاقہ کے سبھی لوگ مالکی ہیں۔ یہ موجودہ روایت موطا کی جو ہم تک پہنچی ہے، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت ہے اور ایسا کم ہوتا ہے کہ علاقہ کا علاقہ ملک کے ملک ایک مسلک کے ہوں، لیکن آپ تصور کیجیے کہ لیبیا جس میں مالکیہ کی بڑی تعداد ہے، لیبیا سے شروع ہو کر جو شمالی پٹی چلی گئی ہے، مراکش پر بلکہ آبنائے جبل الطارق پر ختم ہوتی ہے، یہ پورا علاقہ سو فیصد مالکی ہے، بے شک اس میں ابن بادیس کا بھی بہت بڑا دخل ہے، جس نے مذہب مالکی کو سرکاری مذہب بنا دیا لیکن بیج لایا ہوا ہے یحییٰ بن یحییٰ کا، ایک بات تھی، ذرا سی بات اللہ کو پسند آئی، ہاتھی دیکھنے نہیں گئے تو ان کے علم اور ان کی ذات سے اتنی برکت ہوئی، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے امام مالک کے درس حدیث کو ہاتھی کا تماشا دیکھنے پر ترجیح دی۔

ترجیح کی بات

عزیزو! سارا معاملہ ترجیح کا ہے، تم کس کو کس پر ترجیح دیتے ہو؟ سارا قرآن اسی سے بھرا ہوا ہے، اللہ کے حکم کو ترجیح دیتے ہو یا خواہش کو ترجیح دیتے ہو، رسول

کے کہنے کو ترجیح دیتے ہو یا رسم و رواج کو ترجیح دیتے ہو، مصلحت کو ترجیح دیتے ہو یا حکم الٰہی کو ترجیح دیتے ہو، اسلام کا معاملہ شریعت کا معاملہ ہے، یحییٰ بن یحییٰ نے ہاتھی پر امام مالکؒ کو ترجیح دی تو اللہ نے اور بہت سے داعیوں پر ناشرین علم پر ان کو ترجیح دی اور جس کتاب کے وہ حامل و شارح بنے اس کو اچھی اچھی کتابوں پر ترجیح دی گئی سب کتابیں اچھی ہیں، ہدایہ اگر وہاں پہنچتی یا وہاں مسند امام ابوحنیفہ ہوتی وہ بھی خیر سب سراپا نور، لیکن صرف اس ایک عمل کا اثر یہ ہوا کہ اس حامل علم کو ترجیح دی گئی دوسرے حاملین علم پر، اور اس محمول کو ترجیح دی گئی دوسرے محمولات پر دوسری جو علم کی سوغاتیں تھیں، علم کے تحائف تھے ان پر ان کو ترجیح دی، سارا معاملہ ترجیح کا ہے

آج بھی اتفاق سے آپ کے شہر میں ایک بڑی شخصیت آئی ہوئی ہے، آج ہی اللہ نے آپ کو یہ ایک منظر دکھلایا، امتحان میں تو نہیں ڈالا کہ وہی وقت ہوتا ہمارے بھی آنے کا، لیکن منظر آپ کو دکھایا کہ یہاں ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت آئی اور ہم طالب علم بھی آئے۔ اگر آپ کے دل میں ان طالب علموں کی عزت ہے، ہمارے آنے سے آپ کو زیادہ خوشی ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی یہ خوشی رنگ لائے گی یقین مانیے اگر آپ نے کہا الحمد للہ آج ہمارے کچھ بزرگ، ہمارے کچھ مشفق ہمارے کچھ خیر خواہ ہمارے لیے دعا کرنے والے لوگ آئے ہیں، ہم بڑے خوش نصیب ہیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند آئے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے معاملہ میں علم نافع کا فیصلہ فرما دے۔

شعائر اللہ کا احترام

یہ جو کچھ آپ شریعت کو دیکھتے ہیں، یہ سب احترام کی باتیں ہیں، کرنا کرانا تو بعد

کا مرحلہ ہے اور ضروری ہے لیکن پہلا مرحلہ احترام کا معاملہ ہے اللہ اور رسول کو اللہ و رسول سے نسبت رکھنے والی چیزوں کو کس نظر سے دیکھا جائے، یہی حقیقت ہے شعائر اللہ کی اللہ رب العزت کا ارشاد ہے " وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ تو تعظیم شعائر اللہ دلیل ہے قلوب میں تقوی کی، قلب میں اللہ کی عزت ہے تو جو چیز اللہ کے لیے کہلاتی ہے اس کے لیے بھی عزت ہوگی ایسے ہی ہم کو کوئی چیز نہیں اور کون کیا چیز ہے، سوائے اللہ کے رسول کے اور اللہ کے رسول کے صحابہ کے اور کبار اولیاء اللہ کے سب برابر ہیں، ایک طرح کے لوگ ہیں، لیکن سارا انحصار جو ہے وہ نظر پر ہے، طریقۂ فکر ہے، نقطۂ نظر پر ہے اور ذہنی کیفیت پر ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ میں ذہنی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ایک بزرگ کو بہت بڑے مدارج عالیہ ملے، مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں، فضیل بن عیاض یا جنید بغدادی کا نام یاد آتا ہے، کسی نے پوچھا کہ حضرت اتنا بڑا درجہ اللہ نے نصیب فرمایا، کیا بات ہے کہنے لگے بات تو اتنی ہے کہ میں چلا جا رہا تھا ایک جگہ میں نے ایک کاغذ پڑا دیکھا، اس پر اللہ کا نام لکھا تھا میں نے اٹھایا، آنکھوں سے لگایا اس کو ایک جگہ عزت کے ساتھ کسی دیوار وغیرہ میں حفاظت سے رکھ دیا، اللہ کو یہ ادا پسند آئی اور اللہ نے مجھے یہ مرتبہ عطا کیا۔

اصل میں تعظیم جو ہے محبت و وقعت کا اس پر انحصار ہے، اس کی دلیل ہے، یہی علم کا حال ہے۔

بے حرمتی کا انجام

ایک عجیب واقعہ جو بڑا عبرتناک ہے، شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو، حضرت

شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں میں ایک صاحب تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے دہریہ ہوگئے تھے کلکتہ میں رہتے تھے، گورکھپور کے رہنے والے تھے، شاہ اسماعیل شہید کے ساتھ پڑھے ہوئے تھے، بڑا عجیب وغریب واقعہ ہے جب حضرت شاہ اسماعیل صاحب حج کو جانے لگے تو ٹیپو سلطان، وہ ٹیپو سلطان جو آپ ہی کے علاقہ کے تھے، ان کے پوتوں کے وہ آتالیق تھے، جن کی وجہ سے ٹیپو سلطان کے پوتوں پر کچھ اثر ہو رہا تھا تو ٹیپو سلطان کی پوتی یا صاحبزادی نے حضرت سید احمد شہید سے کہلایا کہ ہمارا خاندان تو آپ ہی کے خاندان کا متوسل ہے۔

ہمارے اجداد مادری میں شاہ ابواللیث صاحب جو سید صاحب کے حقیقی ماموں تھے سفر حج سے واپسی پر ۱۲۰۸ھ میں ٹیپو سلطان (م ۱۲۱۴ھ ۱۷۹۹ء) کی حیات میں کوڑیا بندر پر (منگلور) میں اترے اور مختصر علالت کے بعد وہیں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان ٹیپو کے اس مجاہد خاندان کے حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کی اس شاخ اور سید صاحبؒ کے اجداد مادری سے عقیدت وارادت کے مستحکم تعلقات تھے۔ تو صاحبزادی نے کہلایا کہ ہمارے بھائی صاحبان پر بڑا اثر پڑ گیا ہے، فلاں مولوی صاحب اور وہ ملحد ہوگئے ہیں، آپ ذرا توجہ فرمائیں اور ان کی اصلاح فرمائیں، الحمد للہ ان کی اصلاح ہوئی، وہ سب بیعت ہوگئے تو ان مولوی صاحب کے الحاد کی طرف جانے کی وجہ بھی ایک عجیب وغریب معلوم ہوئی، زیادہ کرید کر پڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بخاری کا درس دے رہے تھے، بڑے زور کی ہوا چلی، بار بار ورق الٹتے تھے، آپ سب جانتے ہیں کہ بخاری کے اوراق جو بڑے ہوتے ہیں تو اس کے ورق کی آواز سے سبق میں

انتشار ہوا، شاہ صاحب نے کہا بھائی! اس پر ہاتھ رکھ لو یا کوئی چیز رکھ لو تو کسی نے ہاتھ رکھا کسی نے کوئی دینی کتاب رکھی، بس اس شخص نے نعوذ باللہ اس پر پاؤں رکھ دیا، یہ کرنا تھا کہ لائن بدل گئی تو سارا معاملہ عزت و احترام کا ہے، سب وہیں سے ہوتا ہے، وہیں سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے۔ لیکن جو قلبی کیفیت ہے وہ بڑی چیز ہے، چنانچہ یہی دیکھا کہ جن لوگوں میں استاد و کتاب کا احترام تھا تو اللہ تعالی نے ان سے بہت نفع پہنچایا عالم کونسا بڑا ہے اس کو اللہ جانتا ہے بلکہ ہمیں بھی کچھ تھوڑا بہت معلوم ہو سکتا ہے، کم علموں کو بھی کہ بعض لوگ ان سے زیادہ ذی علم ہیں بہت زیادہ ذہین ہیں لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا، فائدہ ان سے ہوا جن کا علم اتنا نہیں تھا، وجہ کیا تھی، وہی اساتذہ کا ادب و احترام اور ان کی دعائیں بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی ایک مرتبہ دورے پر تھے تو سب شاگردوں نے کہا کہ مصنف ہدایہ آئے ہیں، مصنف ہدایہ آئے ہیں، ایک شور مچ گیا، جو جہاں تھے سب کام چھوڑ کر ہر طرف سے طلباء ملنے آئے سلام کرنے آئے کہ ہمارے استاد آگئے ہیں، صرف ایک طالب علم جو اچھے ممتاز تھے وہ نہیں آئے تو انہوں نے کہا کہ بھئی فلاں آدمی نہیں آئے خیر اس کے بعد کسی موقعہ پر وہ ملے تو انہوں نے کہا ہم تو تمہارے دیار میں آئے تھے تم ملنے نہیں آئے؟ تو اس نے کہا حضرت! والدہ بیمار تھیں چھوڑ کر نہیں آسکے تو انھوں نے کہا انشاء اللہ تمہاری عمر دراز ہوگی، یہ بڑا اچھا فعل ہے برکت ہوگی تمہاری عمر میں، لیکن درس میں رونق نہیں آئے گی تم نے ایک اچھا کام کیا اس کا اثر عمر درازی میں ظاہر ہوا چونکہ وجود کا تعلق ماں سے ہے جب وجود ہے تو عمر بھی ہے تو وہ جو جسمانی تعلق ماں سے ہے تو جسمانی فیض تم کو پہنچے گا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی، لیکن وجود معنوی جس سے تھا، وجود روحانی جس سے تھا گویا

اس پر تم نے ترجیح دی ہے ترجیح کا معاملہ ہے تو درس میں رونق نہ ہوگی، یہ زبان سے نکل گیا تو لکھا ہے لوگوں نے کہ ان کے درس میں سب کچھ تھا لیکن رونق نہیں تھی یعنی لوگ آئیں اور استفادہ کریں، تلامذہ کی کثرت ہو بس بھائیو! میں نے سلام کے موقعہ پر یہ باتیں کیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عنایت فرمائے، آمین!

مجلس اصلاح وتنظیم بھٹکل

کی طرف سے

۱۲ر ربیع الاول سنہ ۱۴۰۳ھ کو

منعقدہ

جلسۂ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے موقع پر

سلطانی مسجد کے باہر میدان میں بعد نماز عشاء

کی گئی حضرت مولانا مدظلہ العالی کی ایک اہم تقریر جس میں بھٹکل

کے مسلمانوں کی

بہت بڑی تعداد موجود تھی

پیغام رسالت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ٥

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ٥ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ٥

بزرگو اور دوستو:- آپ سب جانتے ہیں کہ آدمی جتنا عالی ظرف ہوتا ہے جتنا شریف اور بلند نظر ہوتا ہے اتنا ہی وہ اپنے کسی احسان کو جتاتا نہیں وہ کسی پر احسان نہیں رکھتا، ہم جیسے خدا کے گنہگار بندوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی کو کھانا کھلا دیں کسی کی دعوت کر دیں تو اسکو بہت ہلکی بات سمجھتے ہیں لوگ بری بات سمجھتے ہیں کہ کوئی یہ کہے کہ ہم نے احسان کیا کہ آپکو کھانا کھلایا، فلاں آدمی کی دعوت کی ایسے ہی اگر کسی کے ساتھ کوئی سلوک کرتے ہیں یا کوئی ہم سے کارنامہ انجام پاتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق تو ہم اس کا زیادہ ذکر نہیں کیا کرتے ہم ناچیز بندوں کا جب یہ حال ہے تو آپ خیال کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جو دنیا کے تمام محسنوں اہل کمال اور قابل محبت اور بڑا جوہر رکھنے والے اعلیٰ انسانی صفات، شہنشاہوں، بادشاہوں، محققوں، مصنفوں، مفکروں مجتہدوں، اماموں اور آخری بات یہ کہ پیغمبروں کا خالق ہے تو وہ کیسے بات بات پر احسان رکھے گا اور کہے گا کہ ہم نے بڑا احسان کیا ہم نے بڑا کام کیا پھر وہ اپنی

جب تعریف کرتا ہے اسی آیت میں کیسے کیسے اسمائے حسنیٰ ہیں "العزیز" اپنی تعریف میں کہتا ہے پھر الحکیم کہتا ہے صادق کہتا ہے عالی کہتا ہے تو ایسی ذات سے یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ معمولی چیزوں پر یہ کہہ دیگا کہ ہم نے احسان کیا لیکن کوئی تو بات تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی میں اور خود اپنے آخری اور محبوب پیغمبر پر جو وحی نازل کی اس میں کہتا ہے کہ "لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا" اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر کہ ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا آپ اللہ تعالیٰ کی صفات و اسمائے حسنیٰ کو ایک طرف رکھئے اس کی ذات عالی کا جو تصور ہمیں اس کے عارفوں نے خدا کے پہچاننے والوں نے دیا ان کو آپ ایک طرف رکھئے اور پھر اللہ کے ان بے شمار بے شمار کیا ہماری زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے بارش کے قطروں کی بھی کوئی حقیقت نہیں، دریا کی بوندوں کی بھی کوئی حقیقت نہیں خدا کی مخلوقات کی بھی جتنی اس نے مخلوقات پیدا کی ہیں موجودہ موجودات ان کی بھی حقیقت نہیں خدا کے احسانات کا کوئی شمار کر سکتا ہے موسلا دھار بارش کی طرح بارش کے قطروں کی طرح برس رہے ہیں سمندر کی بھی کیا حقیقت ہے وہ فرماتا ہے کہ اگر سات سمندر ہوں اور اس کے بعد ان کو وسعت ملے تو اللہ کے کلمات جس میں اس کے موجودات شامل ہیں اللہ کے عطیات شامل ہیں اللہ کے علوم شامل ہیں احسانات شامل ہیں، وہ سات سمندر مل کر بھی ان احسانات ان حقیقتوں اس کی قدرتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے

قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل أن تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً ۵

اگر سارا سمندر روشنائی بن جائے اور کہیں دوسری جگہ آتا ہے کہ دنیا کے سارے

درخت قلم بن جائیں تب بھی اس کے کلمات (ان کلمات میں وہ ساری چیزیں آجاتی ہیں جو میں نے بیان کی) اس کے احسانات اس کے عطیات اس کی صفتیں اس کی مخلوقات اس کا کرم اس کی جود وسخا اس کی بندہ نوازی وہ سات سمندر اگر روشنائی بن جائیں اور دنیا کے سارے جنگل کاٹ کر اسکے قلم بنائے جائیں اور یہ زمین کاغذ بنا دی جائے اس لئے کہ زمین لوح ہے اس پر تحریر کیجائیگی یہ کاغذ کا صفحہ ہے. جس پر یہ نقوش ثبت کئے جائیں گے جب بھی اس کے کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے ان کلمات کو سمیٹ نہیں سکتے وہ خدا کے خلاق وہ خدائے محسن منان حنان رحیم و رحمان وہ یہ کہتا ہے کہ ہم نے آپ پر احسان کیا ہم نے آپ نے بارہا پڑھا ہوگا لیکن بہت کم لوگوں کو خیال آیا ہوگا کہ وہ کونسی نعمت تھی جس پر اللہ نے فرمایا،

اللہ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر ان میں ایک نبی بنا کر بھیجا۔ ان کو سرفراز کیا جس کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے ان کو پاک وصاف کرتا ہے ان کو مانجھتا ہے ان کو سنوارتا ان کو سجاتا ہے انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اب آپ اس سے اندازہ کیجئے. کہ کتنا بڑا احسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی کی شکل میں آپ کی نبوت کی شکل میں آپ کی بعثت کی شکل میں آپ کی تعلیمات کی شکل میں آپ کی تشریف آوری کی شکل میں آپ کی ولادت کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا اس دنیا پر اسکی تمام مخلوقات پر اور خاص طور سے ان پر جو اہل ایمان ہیں اس لئے کہ انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ ان کو یہ نعمت ملی اور انہوں نے اس نعمت کی قدر کی اس لئے کہ اصل احسان ان پر ہوا، ویسے احسان ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے احسان

فراموش ہیں اور بہت سے محسن ناشناس ہیں کہ جو اس سے اصلاً فائدہ ہی نہیں اٹھاتے تو کوئی شریف آدمی ان پر اپنا احسان نہیں جتاتا ہے ان پر احسان جتاتا ہے۔ جو اس قدر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے کتنا بڑا احسان کیا مؤمنین پر کہ ان میں سے ایک کو نبی بناکر بھیجا۔

کمال نعمت ایک احسان یہ کہ کوئی فرشتہ نہیں بھیجا کوئی دوسری جنس اور کوئی مخلوق نہیں بھیجی جس سے کوئی رابطہ ہی قائم نہیں ہو سکتا نہ وہ اسکی زبان سمجھتا اور نہ وہ اسکی زبان سمجھتے نہ وہ اسکو پہچانتے اور نہ وہ ان کو پہچانتا نہ وہ ان سے مانوس ہوتا اور نہ وہ اس سے مانوس ہوتے، وہ کسی عالم میں آتے کسی عالم میں اس کی پرواز کہیں ان کی پرواز کہیں، تو وہ احسان مکمل نہیں ہوتا ایک تو یہ کہ اس نے نبی بھیجا پھر انہیں میں سے ان کی جنس میں بھیجا جنس بشر میں سے بھیجا۔ پھر یہ بھی ممکن تھا کہ پھر نبی آتا تو عبادت کرتا رہتا، ساری عمر اللہ کی معرفت کی تیاری کرتا رہتا اس کے علوم و معرفت کے سمندروں کو کنگھالتا رہتا اس سے موتی نکالتا رہتا آسمان کے تارے توڑتا رہتا، اللہ کی دی ہوئی قوت خلقی سے اور اپنے روح القدس کی تعلیم سے اور اپنے اندرونی کمالات سے اپنی قوت باطنی سے قانون قدرت کو توڑتا رہتا، اور اپنا سکہ جماتا رہتا، اور خدا کے نام کی لذت میں ایسا محو رہتا کہ اسکو کسی کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کو نہ جی چاہتا نہ مہلت ملتی اور نہ اس کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی تا یہ بھی ہو سکتا تھا کتنے اولیاء اللہ آئے اور دنیا سے چلے گئے۔ مست رہے خود مست، اپنے حال میں مست علامہ اقبال نے ایک بات لکھی ہے۔ نبی اور ولی کا فرق اور عجیب نکتہ لکھا ہے کہ حضرت گنگوہی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے اور قاب قوسین

اور أو ادنیٰ اس مقام قرب تک پہنچے اللہ سے ہم کلام ہوئے، اور چلے آئے اس دنیا میں، میں اگر جاتا تو واپس نہ آتا تو علامہ اقبال نے کہا کہ یہی فرق ہے نبی اور ولی کا، ولی کو اس میں مزہ آتا اور وہیں رہ جاتا اور کہتا جائے دنیا کہیں چولھے بھاڑ میں اور جس کی قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو اور جس کو ہلاک ہونا ہے وہ ہلاک ہو۔

ہم ذمہ دار نہیں ہیں ان تجلیات میں جو ایک نور کا دریا یا عالم ہے اس میں گم ہو جاتے ایسے ڈوبتے کہ پھر ابھرتے ہی نہیں جیسے کوئی وزنی چیز بیٹھ جائے کسی دریا میں اور جاکر تہہ نشین ہو جائے اوپر نہیں آتی تو تہہ میں جاکر موتی کی طرح بیٹھ جاتا اور دنیا میں آنے کا نام نہ لیتا لیکن کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گئے اور تشریف بھی لے آئے علامہ اقبال نے اسی کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہی فرق ہے نبی اور ولی میں تو میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ خدا کا پیغمبر آتا اور معرفت الٰہی کے سمندر میں غوطے لگا رہتا اور علوم و معرفت کے سمندر بہاتا رہتا اور اللہ کی ذات و صفات میں اس کو استغراق کامل رہتا اور اس کو خدا کے بندوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اسی چھوٹی سی آیت میں وہ احسان بھی تبلاتا ہے اور اس کی نوعیت بھی بتاتا ہے اور اس احسان کی قدر و کی قیمت بھی تبلاتا ہے یعنی احسان اتنا بڑا کہ خدا کو کوئی مجبوری نہیں تھی اور اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا محض اس کی رحمت الٰہی کے سمندر میں سمندر بھی کیا چیز ہے مگر ہماری زبان میں اس سے بڑا کوئی لفظ ہی نہیں ہے آپ لوگ سمندر کے کنارے رہتے ہیں آپ لوگوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہو سکتی کہ رحمت الٰہی کے سمندر میں جوش آیا ایک لہر اٹھی رحمت کی اور اس نے فیصلہ کیا کہ انسانوں میں انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجے، اور پھر اس کے بعد یہ تبلادیا کہ اس احسان کی نوعیت اس احسان کی قدر و قیمت کیا ہے احسان احسان میں بڑا فرق ہے آپ ذرا سا پانی پلا دیجئے یہ بھی

احسان، یا گرمی میں پنکھا جھلنے کھڑے ہو جائیں یہ بھی احسان، اور کسی کو راستہ بتا دیجئے یہ بھی احسان یا کسی کو ایک روٹی کا ٹکڑا دیجئے یہ بھی احسان لیکن ایک احسان وہ ہے کہ کوئی انسان ڈوب رہا ہو غوطے کھا رہا ہے اور بس کوئی لمحہ ہے کہ وہ اب دریا کی تہہ میں بیٹھتا ہے ایک خدا کا بندہ جان پر کھیل کر جاتا ہے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اور اس کو کمر پکڑ کر لے آتا ہے اور کنارے کھڑا کر دیتا ہے، ایک بچہ تڑپ رہا ہے، بالکل وہ جاں بلب ہے اور ماں اس کے سرہانے بیٹھی رو رہی ہے اور تڑپ رہی ہے اور بس وہ دیکھ رہی ہے اس کی موت کا نظارہ اور اس کی زندگی سے ہاتھ دھوئے ہوئی ہے کہ اللہ کا ایک بندہ آتا ہے کوئی حکیم کوئی طبیب حاذق اور اس کے منہ میں ایک قطرہ بنا کر ڈالتا ہے اور ایک انجکشن دیتا ہے اور بچہ آنکھیں کھول دیتا ہے ہنسنے لگتا ہے اب آپ اس ماں کے دل سے پوچھئے کہ کیسا احسان ہے، احسان کی لاکھ قسمیں ہیں، احسان کے اوپر احسان، احسان کے اوپر احسان کوئی شمار نہیں کر سکتا ہے لیکن سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ حقیقی خطرہ سے بچایا جائے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ مقصد وجود کو بتایا جائے، سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ پیدا کرنے والے سے رابطہ پیدا کیا جائے، اس کی پہچان کرائی جائے اس کو بتایا جائے کہ اس کو پیدا کرنے والا کون ہے اور وہ کس کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کی پیدائش کی غرض وغایت کیا ہے اور پھر اس کے سفر کی منزل کیا ہے کہاں سے چلا تھا کہاں جاتا ہے کیا کیا سامنے آتا ہے اور کیا کیا پیش ہوتا ہے اور کیسے کیسے خطرے ہیں اور پھر خطرہ بھی کیسا، ایک خطرہ بیماری کا ایک خطرہ زیادہ دولت مند ہونے کا ایک خطرہ عیش وعشرت کے سامان نہ ہونے کا ایک خطرہ اسی دوزخ کی آگ میں اتنی مدت تک جلتے رہنے کا ہماری ریاضی

میں کوئی عدد نہیں کوئی حساب نہیں چلنے کی مدت کا اور پھر فریاد کرنا کہ قالوا یٰملک لیقض علینا ربک" اے داروغۂ جہنم کم سے کم کرم کر دیجئے کہ ہماری درخواست قبول کیجئے کہ اب ہمارا خاتمہ ہو جائے انکم ماکثون جواب ملے گا نہیں تمہیں اسی حال میں رہنا ہے کوئی اندازہ کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی مثال دی کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے آگ روشن کی اور اس میں پتنگے جو پروانوں کی طرح ہوتے ہیں وہ گر رہے ہیں ان کا کام ہی یہی ہے کہ آگ روشن ہوئی اور جان دینی شروع کی، اسی طرح تم آگ میں کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر اس سے ہٹا رہا ہوں۔

عالمگیر خودکشی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،" واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء اً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا ۔ ہ

تم جہنم کے کنارے پر کھڑے تھے، اور تاریخ بتاتی ہے کہ کمر کس لی تھی ایک انسانی نسل نے آدم کی پوری اولاد نے، اس وقت اس کو ایک آدمی کی شکل میں آپ تصور کریں اس نسل کا تو اپنے سامنے یہ نقشہ لائیں کہ آدم کی نسل کا ایک نمائندہ جس کے اندر نسل آدم پورے طور پر سمٹ کر آ گئی تھی ایک نقطہ کی طرح کمر کسے ہوئے آستین چڑھائے ہوئے ہے اور اپنی کمر باندھے ہوئے اور پاؤں اٹھائے ہوئے ہے، اور اب بس جست لگانے والی ہے بس چند سیکنڈ کی دیر ہے کہ جست لگا کر اس گڑھے کے اندر چلا جائے ایک دستِ رحمت بڑھتا ہے اور اس کی کمر پکڑ لیتا ہے کہ نہیں ہم تم کو گرنے نہیں دیں گے اس طرح نسل آدم کو خدا کے پیغمبر نے اس طرح بچایا ہے کہ نسلِ آدم نے خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا تاریخ پڑھئے کیا ہے ایک طویل مسلسل خودکشی اور عالمگیر خودکشی آدم گیر خودکشی جس میں اس وقت کی نسل

انسانی میں چند افراد کا استثناء کیا جاسکتا ہے، یہ پوری نسل آدم اس کی درخواست خدا کے یہاں پہنچ گئی تھی کہ ہمیں زندگی کا استحقاق نہیں ہے ہمیں جینا نہیں ہے جینے کا شوق نہیں ہے ہمیں تو اب دنیا سے اٹھا لیجئے، ہمارا اب خاتمہ کر دیجئے، اس وقت بعثت ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر آپ اس وقت کی تاریخ پڑھیں افسوس کہ وہ تاریخ اس طرح سے جس طرح سے لکھنی چاہئے تھی ویسے لکھی نہیں گئی کسی کو اس کی اہمیت کا احساس نہیں تھا۔ تاریخ تو بعد میں لکھی گئی اور اس وقت کوئی ایسا کیمرہ بھی نہیں تھا کہ اس پورے تمدنِ انسانی کی تصویر لے سکتا ہو ورنہ اگر کوئی کیمرہ ایسا ہوتا اتنا بڑا اور وہ اس پورے انسانی معاشرہ کی تصویر لیتا تو معلوم ہوتا کہ سب نسل انسانی ایک جگہ آکر کھڑی ہو گئی تھی اور ایک انسان کے وجود میں متشکل ہو گئی تھی، اور وہ جہنم کے اندر کودنا چاہتی تھی کہ اچانک اللہ نے پیغمبر کو بھیجا اور اس نے نسل انسانی کو زندگی کا استحقاق عطا کیا، زندگی نہیں زندگی کے جینے کا استحقاق یہ استحقاق یہ انسانی نسل کھو چکی تھی اپنے خلاف عرضی دعویٰ پیش کر چکی تھی، مقتل تیار تھی اور صرف جج کا فیصلہ وہ قاضی القضاۃ وہ قاضی برحق جس کا نام خدائے برحق ہے اب اس کے فیصلے کی صرف دیر تھی، انسانوں کی نسل تیار تھی کہ اس انسان کو جو حشرات الارض سے بدتر ہو گیا ہے یہ سانپ اور بچھو سے بدتر ہو گیا ہے یہ جنگل کے بھیڑیوں اور درندوں سے بدتر ہو گیا ہے ہم نے نہیں سنا کہ بھیڑئیے جمع ہو کر بھیڑیوں کو کھاتے ہوں ہم نے نہیں سنا کہ شیروں نے شیروں کو کھایا ہو ہم نے نہیں سنا کہ سانپوں نے سانپوں پر حملہ کیا ہو لیکن یہ شامت زدہ یہ بدنصیب ایک دوسرے کو نگل رہے ہیں غضب یہ ہے کہ انسان اور انسان کا شکاری ہے پھر یہ جانور سازش نہیں کرتے انھوں نے

سازش کرنی شروع کی۔ انسانیت کے خلاف سازشں مروت کے خلاف سازش، شرافت کے خلاف سازش، تمدن کے خلاف سازش یہ پورا اجمال تیار تھا، کہ اچانک "ومارسلنٰك الا رحمة للعٰلمين" اللہ نے اپنے آخری نبی کو اپنے محبوب ترین نبی کو اس وقت بھیجا اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس کی بعثت کے ساتھ یہ ہوا کہ اس کے ساتھ ایک پوری امت مبعوث ہو گئی اب پوری امت اس کو دی جائے گی ایک پورا پیغام اس کو دیا جائے گا، پوری شریعت اس کو دی جائے گی اور قیامت تک کا زمانہ اس کو دیا جائے گا، قیامت کا زمانہ اس کے قانون کے دائرے میں ہوگا، اس رحمت کا تسلسل قیامت تک قائم رہے گا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، "لقد من اللہ علی المؤمنین" اللہ تعالیٰ نے احسان کیا مومنین پر اور اس کے بعد اس احسان کی نوعیت بھی بتادی،

احسان کا صحیح جواب اب میں عرض کرتا ہوں کہ اس احسان کا ہماری طرف سے کیا جواب ہونا چاہیئے، احسان کا جواب چار چیزیں ہیں، قدر، محبت، عظمت، اطاعت، یہ ہے احسان کا صحیح جواب، قدر بھی ہر ایک کی قدر الگ الگ ہوتی ہے، قدر کی بھی مختلف قدریں ہیں، قدر کی بھی مختلف قسمیں ہیں، شاعر کی قدر یہ ہے کہ اس کو داد دیجئے واہ واہ کیا خوب فرمایا پھر ارشاد ہو شاعر کا دل بڑھ جائے گا، معاف کرنا جن صاحب نے نعت پڑھی ان کو داد نہیں دی گئی یہ مشاعرہ نہیں سیرت کا جلسہ ہے لیکن شاعر کا دل خوش نہیں ہوتا جب تک اس کو مختلف گوشوں سے داد نہ دی جائے۔ اور خاص طور سے استاد شاعر یہ نہ کہے کہ خوب فرمایا پھر ارشاد ہو یہ ہے شاعر کی قدر کوئی مغنی کی قدر ہوتی ہے،

پھولوں کی قدر ہوتی ہے کسی بڑی صنعت کی، تاج محل کی قدر رہے، تاج محل کی قدر کیا ہے بنانے والے کی تعریف کیجئے دیکھتے رہیئے، محو ہو کر تماشا دیکھئے تعریف کیجئے یہ کہئے کہ یہ فن تعمیر کا اعجاز ہے، لیکن نبی کی قدر یہ نہیں ہے کہ آپ اسکی تعریف کریں آپ بس داد دیتے رہیں۔ نبی داد نہیں چاہتا اور خدا بھی آپ سے داد نہیں چاہتا، خدا آپ کی داد کا محتاج نہیں، سبحان اللہ کیا ہستی آپنے بنائی اور کیا ہستی آپ ہیں کبھی نبی کا دل خوش نہیں ہوگا، نبی ایک کام لے کر آتا ہے ایک تعلیم لے کر آتا ہے، حد یہ ہے کہ میں آپ کو آخری درجہ کی بات بتا دوں کہ اگر کسی کی محبت کسی کی قدر دانی اور کسی کی خدمت گذاری اور کسی کی جاں نثاری تنہا کافی ہوتی تو وہ حضرت ابوطالب کی ہوتی، ابوطالب سے بڑھ کر کسی نے جاں نثاری کا ثبوت نہیں دیا۔ ابوطالب آپ کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہوئے، ابوطالب نے اپنے پورے خاندان کو خطرے میں ڈالا۔ اپنے پرائے کی جو عشرتھی قریش میں اس کو داؤ پر لگا دیا اور انھوں نے اپنی راتوں کی نیند حرام کر دی، اور دل کا سکون تہہ و بالا کر دیا آپ پر آنچ نہ آنے دی، آپ کے سامنے ایک پرسکون حصار بن کر کھڑے ہوئے لیکن یہی فرق ہے ایک ادیب و شاعر میں ایک تخیل پسند میں یہی فرق ہے ایک خدا کے پیغمبر میں کہ جب ان کا آخری وقت آتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ چچا جان آپ کا بڑا شکریہ چچا جان، آپ نے حق ادا کر دیا محبت کا، میں قیامت کے دن کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے جنت میں لے جاؤں گا کیا فرماتے ہیں میرے چچا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ

کہہ دیجئے پھر میں آپ کی شفاعت کروں گا پھر خدا کے سامنے کچھ عرض کروں گا، لیکن ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے، اسی کو خط فاصل کہہ لیجئے، یہ سرحدی خط ہے جو ادیبوں شاعروں اور اپنی تعریف سے خوش ہونے والوں کے درمیان اور پیغمبر برحق کے درمیان ہے، خدا کا پیغمبر آخر تک کہتا رہا اصرار کرتا رہا چچا جان ابھی کہہ دیجئے ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کوئی کہتا کہ حضور اتنی تو خدمت کی اتنی تو جانثاری کا حق ادا کر دیا، اپنے کو خطرے میں ڈالا اور آپ پر آنچ آنے نہ دی اور سب آپ پر قربان کر دیا اب بھی آپ یہ اصرار کر رہے ہیں اب بھی آپکا یہی مطالبہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہئے، ارے صاحب کتنے لا الٰہ کہنے والوں سے زیادہ جاں نثاری اور وفاداری انہوں نے کی سچی بات ہے ہم سب مانتے ہیں کہ لاکھوں کہنے والوں سے زیادہ جہاں تک جاں نثاری کا تعلق ہے ابوطالب نے کیا، لیکن خدا کا پیغمبر خدا کا پیغمبر ہوتا ہے، اس کو پیغمبر کہتے ہیں اس لئے کہ وہ پیغام لے کر آتا ہے اس کو اپنا پیغام عزیز ہوتا ہے نبی کا لفظ رسول کا لفظ اور ہمارے یہاں اردو میں پیغمبر کا لفظ تینوں لفظ سب میں ایک مشترک حقیقت ہے ایک کام سے آنے والا ایک پیغام لانے والا جس کو میں PROPHET تو نہیں کہتا اسلئے کہ انگریزی زبان میں یا عیسائیوں میں مسیحیت میں رسول کا کوئی تخیل ہی نہیں ہے۔ لیکن میں رسول کہتا ہوں میں نبی کہتا ہوں میں پیغمبر کہتا ہوں کہ وہ پیغمبر پیغام کے ساتھ اس کی ذات وابستہ ہوتی ہے اور اس کی ذات کے ساتھ پیغام وابستہ ہوتا ہے اس پیغام میں اور اس ذات میں بھی کوئی فصل نہیں کر سکتا، دونوں کو علیحدہ نہیں کر سکتا وہ سوتا ہے تو پیغمبر وہ اٹھتا ہے تو پیغمبر وہ جنگ میں لشکروں کو

لے جاتا ہے تو پیغمبر وہ صلح کرتا ہے تو پیغمبر وہ خوش ہوتا ہے تو پیغمبر وہ ناراض ہوتا ہے تو پیغمبر وہ بچوں سے شفقت کرتا ہے تو پیغمبر وہ بیوی سے محبّت کرتا ہے تو پیغمبر وہ تلوار اٹھاتا ہے تو پیغمبر وہ دیتا ہے تو پیغمبر ہر حالت میں وہ پیغمبر ہوتا ہے نبوت اس سے کسی وقت بھی ختم نہیں ہوتی، یہ پیغمبر کی شان تھی کہ چچا سے کہہ رہے ہیں اور جیسی محبّت آپ کو ہو گی ہم جیسے نالائقوں کو اپنے باپ و چچا سے کیسی محبت ہو گی اور شرافت مجسّم کیا چیز ہے شرافت تو آپ کے وجود سے شرافت تو آپ کی تعلیم سے دنیا میں پیدا ہوئی ہے، آج دنیا میں شرافت کا جو بچا کھچا سرمایہ ہے وہ انھی کے قدموں کی بدولت ہے ورنہ شرافت دنیا میں ہے کہاں ہم نے بڑے شریفوں کی شرافت دیکھی ہے۔ ہم سے نہ پوچھئے جو شرافت آج دنیا میں ہے وہ رسول اللہ کے غلاموں کی بدولت ہے شرافت کا صحیح مفہوم ہی دنیا نہیں جانتی، شاعر نہیں جانتے ماہرین نفسیات نہیں جانتے فلسفہ داں نہیں جانتے انھوں نے بتایا کہ شرافت کیا چیز ہوتی ہے۔ وہ شریفوں کا شریف وہ اشرف الشرفا، وہ ایک شریف بزرگِ خاندان اور رئیسِ قریش سے یہ کہہ رہا ہے اور کہتا چلا جا رہا ہے ارے ایسی حالت میں آدمی بولتا نہیں جاں کنی کی حالت میں دشمن چپ ہو جاتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں ادب کرتے ہیں لیکن وہ پیغام بلوا رہا تھا وہ اپنی دعوت کا غلبہ بلوا رہا تھا اس وقت جب کہ جاں کنی کی حالت تھی ابو طالب سے کہتے چلے جا رہے ہیں۔ یا عمّہ قل لا الٰہ الا اللّٰہ

نبی کی صحیح قدر رسول اللہ کی قدر یہ نہیں آپ صاف سن لیجئے کہ آپ داد دیں، ان کو آپ کی داد کی بالکل ضرورت نہیں اور نہ یہ کہ خدا کو داد دیں کہ واہ واہ کیا نبی آپ نے پیدا کیا، یہ مشاعرہ نہیں ہے اور یہ دنیا مشاعرہ نہیں ہے یہ عملی میدان ہے جس میں نبوت کا جھنڈا گڑا ہوتا ہے جسمیں خدا کے پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں۔ یہ مشاعرہ کا میدان نہیں ہے کہ آپ تعریف کرکے خوش ہو جائیں، مطمئن ہو جائیں داد دیں اور کہیں کہ ہم سے بڑھ کر محبّ رسول عاشق رسول کوئی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشاعرہ کرانے نہیں آئے تھے، صاف سن لیجئے کہ اللہ کا رسول مشاعرہ کرانے نہیں آیا تھا۔ کہ دنیا میں اپنی دھوم مچائے۔ اپنا ڈنکا بجوائے، اپنے گیت گوائے، نہیں ان کا تو حال یہ تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ إن شاء اللہ و شئت کہ آپ چاہیں اور خدا چاہے تو ہمارا کام بن جائے تو فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ بئس الخطیب أنت تمہیں بولنے کا ڈھنگ نہیں بولنے کا سلیقہ نہیں ما شاء اللہ وحدہ ما شاء اللہ وحدہ جو خدا چاہے جو خدا چاہے جو خدا تنہا چاہے۔ اگر آپ بھی ایسی داد کے خواہاں ہوتے تو آپ خوش ہو جاتے واہ واہ کیا عمدہ بات کہی کہ اللہ کے ساتھ مجھے بھی ملا دیا خوش ہوتے ہیں خوش ہونے والے، دنیا میں بہت سے بڑے لوگ ہیں کہ ان کے منہ پر تعریف کیجئے اور وہ پھول جاتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں۔ آپ سن نہیں سکتے آپ نے فرمایا لا تطرونی کما أطرت النصاری عیسیٰ بن مریم دیکھو میری تعریف میں اتنا مبالغہ نہ کرنا، حدود سے تجاوز نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے اپنے پیغمبروں میں حدود سے تجاوز کیا اور ان کو خدا کا بیٹا بنا یا ولکن قولو عبد اللہ ورسولہ کہو اللہ کا بندہ

اور اس کا رسول ہوں تو ایک چیز تو قدر ہے میں نے قدر بتایا کہ ہر ایک کی
قدر الگ الگ ہوتی ہے۔ ادیب کی قدر الگ شاعروں کی قدر الگ معماروں
کی قدر الگ، صاحب کمال کی قدر الگ، خدا کے پیغمبر کی قدر الگ، خدا
کے پیغمبر کی قدر یہ ہے کہ اپنی ہستی کو اس کی تعلیمات میں تحلیل کریں۔ اپنے نفس
کے تقاضوں سے رسم و رواج سے اور باپ دادا کے طریقوں سے اور اپنے
مفادات سے اپنی لذت سے اپنی عزت سے سب سے دست بردار ہوجائیں،
اور نبی کی تعلیم کو ان سب پر مقدم رکھیں۔ یہ اس کی قدر ہے اس قدر سے
نبی خوش ہوتے ہیں، چنانچہ ایک سیرت کی کتاب میں دیکھا کہ حضرت حمزہؓ
آئے تو ان کی باندی نے کہا کہ تم شکار کرتے پھرتے رہتے ہو معلوم ہے کہ تمہارے
بھتیجے کے ساتھ ابوجہل نے کیا معاملہ کیا، کیا کہا، اسنے کہا اسنے تو آج بڑی بدتمیزی
دکھائی، بس اسی وقت حمزہ اسد اللہ تھے اللہ کے شیر تھے اگرچہ اس وقت
اسلام نہیں لائے تھے، ان سے بڑھ کر مکہ میں کون تھا شیر دل اور شہسوار گئے
اور ہاتھ میں کمان تھی، کہ شکار کھیلنے گئے ہوں گے کہ اس کے سر پہ ایسا مارا کہ سر پر
زخم سا ہو گیا، اور کہا کہ تو سمجھتا ہے کہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں، میں
ان کا انتقام لیتا ہوں اور آکر بہت خوش خوش رسول اللہ سے کہا کہ اے محمد!
میں بڑا انتقام لے آیا۔ بس آج خوب سبق دیا ہے ابوجہل کو، کوئی دوسرا ہوتا تو
کہتا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے ہاں آپ سے ایسی ہی امید تھی آپ تو باپ
کے قائم مقام ہیں، فرمایا میں اس سے خوش نہیں ہوں پھر آپ کس سے خوش
ہوتے ہیں؟ آپ کلمہ پڑھیں اسلام لائیں، تو میں خوش ہوتا ہوں، اسی وقت

اسلام لے آئے، یہ نبی کا طرز عمل ہے۔ آج ساری امت اسی بھول میں ہے یعنی امت کی ایک بڑی تعداد کہ بس تعریف کرو، تعریف کرنا بس عین سعادت ہے میں کیا درود شریف اور درود شریف کی فضیلت من صلی علی واحداً صلی اللہ علیہ عشراً جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمتیں بھیجتا ہے، یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر درود بھیجتا ہے اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو، خوب درود بھیجئے اور حضور کے اندر زیادہ سے زیادہ تعریف کیجئے۔ مگر نبی کا دل اس سے خوش نہیں ہوتا نبی کیلئے یہی کافی نہیں وہ چاہتا ہے جس کو ایک حدیث میں بیان کیا ہے۔ "لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ" تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفسانی اس چیز کے تابع نہ ہو جائے اس چیز کے ماتحت نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔

رسول کو خدا کی تعلیمات عزیز ہوتی ہیں ہر ایک کو اپنی لائی ہوئی چیز عزیز ہوتی ہے مجھے یہ اپنی ٹوٹی پھوٹی تقریر عزیز ہے جلسہ کرنے والوں کو جلسہ عزیز ہے اور سیاسی لوگوں کو اعلانات عزیز ہیں اپنی چیز خود کو عزیز ہے اللہ کے رسول کو اپنی تعلیمات عزیز کیوں نہ ہوں جس کے لئے وہ اپنے عزیز سے عزیز جگر گوشوں کو آگے کر دیتا تھا، آپ کو معلوم ہے کہ میدان بدر میں جب انھوں نے آواز لگائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عزیزوں کو بھیجو قریش میں سے جو ہمارے برابر ہوں ہماری برادری کے ہم پلہ ہوں یہ انصاری نہیں کاشتکار لوگ ہیں یہ ہمارے ہم پلہ لوگ نہیں ہیں آپ نے کن کو بھیجا ایک

رشتہ کے چچا ایک حقیقی چچا اور ایک آپ کے چچازاد بھائی اور ہونے والے داماد آپ خود سمجھ لیجئے۔ اور آپ خود ماشاءاللہ صاحب اولاد لوگ ہوں گے کہ جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو داماد بنانا ہے، تو آدمی پتہ نہیں کتنا انشورنس کرائیگا کہ اس پر کوئی آنچ نہ آنے پائے اور وہ تینؓ سو جن کو آپ خود جانتے تھے اور وہ لوگ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں آپ مکہ کے فرزند تھے مکہ ہی کی ولادت ہے آپ کی، ایک ایک کو پہچانتے تھے یہ کون ہے عتبہ یہ کون ہے ربیعہ یہ کون ہے شیبہ آپ سے بہتر جاننے والے کون ہیں ان کے مقابلے میں اٹھارہ بیس سال کے علی کو بھیجا جس کو دامادی کا شرف عطا ہونے والا تھا جس دین کے لئے آپ نے اپنے خاندان کو خطرے میں ڈالا، اور یہ اللہ کی قدرت تھی کہ وہ تینوں بچکر چلے آئے۔ ایک وہ شہید ہوئے اور زخمی ہوئے، عبیدہ بن حارث، باقی دونوں صحیح سالم واپس آئے ان کو اپنا دین کیسا عزیز نہیں ہوگا، میرے بزرگو اور دوستو میں خود نعت کا ایسا شیدائی ہوں کہ میرے جاننے والے جانتے ہیں بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ میں آپ کو خود اپنا واقعہ سناتا ہوں میں نے کہیں لکھا بھی ہے کہ میں ایک جگہ تبلیغی جماعت کے ساتھ دشوار گذار سفر پر تھا اور بس تھک کر چور ہو گیا اور کئی راتوں سے جاگنا پڑ رہا تھا، بس وہاں جانا پڑ گیا میں نے کہا کہ مجھ میں بالکل تقریر کرنے کی ہمت نہیں اور حضرات علماء ہیں ان کو لے جاؤ تقریر کریں آج رات مجھ کو چھٹی دو لوگوں نے کہا کہ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں آپ کا نام سنا ہے آپ چل کر بیٹھ جائیے، وہاں جا کر میں بیٹھا، تو وہاں ایک نعت پڑھی جانے لگی۔

اسے نام محمد صلی علی ماہر کے لئے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسّم بھی آیا آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

میرے ذہن میں آیا کہ ماہرالقادری صاحب کی نعت ہو گی، بتاتا ہوں مجھ میں ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی اور میں نے پوری تقریر کی، میں تو اس بارے میں میرا خاندان تو نعت کا رسیا ہے نعت کا عاشق نعت کہنے والا ہے آپ سے صفائی کی بات کہتا ہوں کہ ایسے محض جلوس محض مشاعرے نعتیہ مشاعرے محض تعریف یہ چیزیں کافی نہیں ہیں میں نے تو آخری مثال دیدی اس کے بعد تو کوئی مثال ہی نہیں ہو سکتی اگر اس پر تقریر کر دوں تو کافی ہے۔ ابوطالب جیسے جاں نثار سے آپ یہی فرماتے رہے اور بالکل آخری وقت تک یاعم قل لا الہ الا اللہ یاعم قل لا الہ الا اللہ کہ لا الہ کہو اللہ تعالیٰ اس لا الہ کی برکت سے آپ کو آخری وقت میں بخشش دے گا اس کے بعد زندگی ہوتی تو نماز پڑھنی ہوتی سب کچھ کرنا پڑتا مگر اب بالکل آخری وقت ہے اس آخری وقت میں تو کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا لفظ ہی ادا کئے جا سکتے ہیں۔ عمل تو نہیں ہو سکتا اب بتایئے کہ امت کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہو امت سے معاف ہے ابوطالب سے تو اصرار کیا لا الہ کہو اس کے بغیر شفاعت نہیں ہو سکتی امت کے لئے شفاعت اور سفارش مقدر اور وہ چاہے عمل کرے یا نہ کرے۔ شریعت کے خلاف کرے تمام فرائض کو جب چاہے چھوڑ دے، کسی چیز میں شریعت پر عمل نہ ہو رہا ہو، شریعت سے مطلب ہی نہ ہو زندگی کو، زندگی بے تعلق چل رہی ہو شریعت سے اور بس یہ کافی ہے اور اس میں معیار یہی ہے کہ

حدا قُلْ

کون زیادہ نعرے لگاتا ہے کون زیادہ پھول لاتا ہے کون زیادہ گلدستہ بناتا ہے کون زیادہ محفل کو سجاتا ہے کون زیادہ بڑی لچھے دار تقریر کرتا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے شریعت کا تعلق ہے شریعت کے احترام کا تعلق ہے وہاں بس کوئی واسطہ نہیں، راستہ ہی میں یہ آیت میرے ذہن میں آئی "لقد من اللہ علی المؤمنین" اللہ میاں فرماتے ہیں جس کو اللہ نے احسان کہا ہے اور اس کے بعد احسان کی نوعیت بھی بتا دی اس لئے نہیں کہ آنکھوں پر اس کو بٹھا دو۔ اور سروں پر رکھو چومو اور چاٹو اور طاق کی زینت بناؤ اپنے گھروں کو سجاؤ، نہیں بلکہ یتلو علیہم آیاتہ اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں، پڑھ کر سنانے کا فائدہ اگر سننے والے نہ ہوں اور عمل کرنے والے نہ ہوں اور پھر "ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ" اور وہ ایک نئی زندگی لے کر آتا ہے اور نئی تعلیمات لے کر آتا ہے اور نیا دور شروع ہوتا ہے اور نئی انسانی نسل پیدا ہوتی ہے۔ بس میرے بھائیو اور دوستو اس پر اکتفاء کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اتنی باتیں نہ کہوں کہ کوئی بات بھی آپ کو یاد نہ رہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کتنی باتیں آدمی سنتا ہے لیکن کوئی بات بھی یاد نہیں رہتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ آپ یہی بات سن کر لے جائیں کہ حضورؐ کا مطالبہ، آپ کے دل کی خواہش آپ کی تمنا آپ کا تقاضہ اور آپکا پیغام یہ ہے کہ آپ کی شریعت کا احترام کریں آپ کے دین پر چلیں اللہ کی عبادت کریں توحید کو مضبوط پکڑیں اور خدا کے سوا اس کائنات میں کسی کو متصرف نہ سمجھیں اور اس کو حقیقی طور پہ نافع اور ضار سمجھیں آپ ہی تعلیم

لے کر کے آئے اور یہی تعلیم ہے جس سے اس دنیا میں بھی سعادت حاصل ہو گی فلاح حاصل ہوگی اور آخرت میں نجات حاصل ہو گی اور ترقی ہو گی۔

محبت بس ایک تو قدر ہے اور دوسری محبت ہے، اس کے لئے حدیث میں آتا ہے "لایؤمن احدکم حتیٰ کون احب الیہ من اھلہ ومالہ" اور کہیں آتا ہے اسکے والدین سے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا، علماء نے کہا ہے مومن کامل لیکن حدیث کے لفظ میں صرف اتنا ہے کہ مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی نظر میں اپنے اہل وعیال سے ماں باپ سے اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے غالباً مسند احمد ابن حنبل کی روایت ہے ومن نفسہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو یہ محبت ہے یہ بھی نبی کے حقوق کا ایک حق ہے کہ ہمارے دل میں اس کی محبت غالب آجائے۔ اور ہمیں اس کی عزت اس کا ناموس اس کا نامہ مبارک اس کی سیرت اس کی تعلیمات اس کی شریعت ساری دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ عزیز اور سب سے زیادہ وقیع ہو یہ ہے محبّت۔

عزت تیسری چیز ہے عزت اللہ تعالیٰ سورہ فتح میں فرماتا ہے وتعزروہ وتوقروہ تاکہ تم اس کی مدد کرو اس کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ اور اسکی عزت کرو اس کا احترام کرو۔ پوری سورہ حجرات میں احترام کے آداب ہیں کہ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون کہ دیکھو نبی کی آواز پر آواز نہ بلند کرو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ چلیں جائیں۔ پانی نہ پھر جائے۔ حکم دیا کہ

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون "جو لوگ حجروں کے پاس آکر زور زور سے آواز دیتے ہیں آپ کا نام لے لے کر کہ آپ تشریف لائیے بات کرنا ہے، فلاں کام ہے ان میں اکثر جاہل ہیں۔ اور سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے رسول کے احترام سے، یہاں تک آپ کی ازواج مطہرات سے ازدواجی تعلقات سے منع کر دیا گیا آپ کیلئے بہت سی وہ چیزیں ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں وہ سب لکھی گئی ہے یہ سب عزت کے حکم میں ہے، قدر، محبت، عزت اور اطاعت میں نے بیان کر دیا کہ بغیر اطاعت کے کام نہیں چلے گا اور سارا قرآن اور ساری حدیثیں اسی سے بھری ہوئی ہیں" وماکان لمؤمن ولامؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً أن یکون لھم الخیرة کسی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کرے اور اس کو اختیار باقی رہ جائے اور" اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ومن یطع اللہ ورسولہ" سارا قرآن مجید اس سے بھرا ہوا ہے اللہ کے رسول کی اطاعت سے" ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا" جو نبی سے بحث کرے گا اور جھگڑے گا اس کے بعد کہ ہدایت واضح ہو چکی اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا ہم اس کو اسی حال پر چھوڑ دیں گے اور اس کو جہنم تک پہنچا دیں گے یہ ہے اطاعت جو اس احسان کا ہماری طرف سے جواب ہے، ہر چیز کا شکر الگ ہوتا ہے ہماری طرف سے شکر کی صورت یہ ہے کہ ہم قدر کریں، محبت کریں، عزت کریں، اطاعت

کریں بس یہی ربیع الاوّل کا پیغام ہے، حقیقت میں تمام مجالس سیرت میں یہ پیغام ہونا چاہیئے۔ کہ مسلمانو اے رسول اللہ کی امت، اے آپ کی غلامی پر فخر کرنے والو آؤ اور اللہ کی اس نعمت کی قدر کرو جیسی قدر کرنی چاہیئے اور فکر کرو اور محبت کرو آپ کی ذات گرامی پر، آپ کی سیرت پڑھو آپ کے حالات معلوم کرو اور آپ کے دل میں محبت کا جذبہ پیدا کرو۔

حقیقی محبت کیلئے صفات کا علم ضروری ہے اس لئے کہ محبت ذات سے نہیں ہوتی۔ محبت صفات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اگر آپ کو کسی کے صفات کا علم نہیں تو محبت نہیں ہوگی۔ محبت صفات پر ہوتی ہے فلاں سخی ہے فلاں فیاض ہے فلاں بڑا رحم دل ہے اور فلاں بڑا شریف النفس ہے، محبت ہوگی تو آپ کی سیرت پڑھو تاکہ آپ کی صفات کا اور آپ کے کمالات کا علم ہو سیرت پڑھتے نہیں ہم اور یہ سمجھتے ہیں کہ ربیع الاوّل آئے اور ایک دو جلسوں میں ہم شریک ہو جائیں اور ہم اپنی جاں نثاری کا ایک مظاہرہ کریں۔ بس کافی ہے۔ کتنے آدمی ہیں جنھوں نے سیرت پڑھی، ہماری اردو زبان سیرت کی کتابوں سے مالا مال ہے میں جانتا ہوں کہ جیسی سیرت کی اعلیٰ کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ قدیم حدیث کو چھوڑ دیجئے اور پرانی سیرت کی کتابوں کو چھوڑ دیجئے موجودہ عربی زبان میں بھی لکھی نہیں گئی۔ اور اس کو عرب بھی مانتے ہیں، ہمارے یہاں خطبات مدراس کا جواب نہیں ہمارے یہاں سیرت النبیؐ کا جواب نہیں، ہمارے یہاں رحمۃ للعالمین کا جواب نہیں، تو ایسے ملک میں ہم رہتے ہیں جہاں کی زبان اردو ہے الحمد للہ آپ کو اردو سے بڑا ذوق ہے آپ اردو

میں شعر کہتے ہیں فخر کرتے ہیں، تو آپ کو سیرت کی کتابیں پڑھنی چاہئیں۔ آپ کو شمائل کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ کہ حضور کو کیا چیزیں پسند تھی اور کس طرح آپ کے رات دن گذرتے تھے۔ اور پھر اس کے بعد اطاعت کی کوشش کریں یہ ہے ربیع الاول کا اصلی اور مکمل پیغام اور باقی ہمارے یہاں کوئی تہوار کی حیثیت نہیں ہمارا دین تہواروں کا دین نہیں ہے، ایک یہودی نے کہا تھا حضرت عمر سے کہ اے امیر المومنین آپ کی کتاب میں ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے اگر کہیں ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم تو مستقل ایک تہوار بنا لیتے فرمایا وہ کون سی آیت ہے کہا کہ: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر لیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔ یہ آیت موجود ہے آپ اس کا تہوار نہیں مناتے۔ انھوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا اور ہم عرفات میں تھے، مطلب یہ ہے کہ ہمیں تہوار کی ضرورت نہیں مستقل، اور وہ تو ایسے ہی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

جب حضور تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ خوشیاں مناتے ہیں تو فرمایا کہ مسلمانو اللہ نے تمہیں دو تہوار دیئے ہیں، ایک عید الفطر ایک عید الاضحیٰ، تو یہ دین، تہواروں کا نہیں تہوار وہ قومیں مناتی ہیں جن کے معاشرے کا ربط دین سے ٹوٹ چکا ہو، مذہب سے دھرم سے تو ان تہواروں کے ذریعہ وہ ان میں ایک شیرازہ بندی کرتے ہیں۔

تو بھائیو! اللہ اور اس کے رسول کو ہمارے نعروں کی ضرورت

نہیں حقیقت کی ضرورت ہے ہم حقیقت کو لے کر آئیں، حقیقتِ قدر، حقیقتِ محبت، حقیقتِ عشق، حقیقتِ اطاعت، اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائے خدا کرے کہ یہ بات آپ کے ذہن میں آگئی ہو اور آپ کے دماغ میں محفوظ ہو اور آپ کے لئے ذریعہ بنے عمل کا۔ اطاعت کا اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کا اور اپنی زندگی کو سیرت محمدی کے ڈھانچے میں پیغام محمدی کے سانچے میں اور تعلیمات نبوی کے سانچے میں ڈھالنے کا۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

دو ہفتہ دمشق میں

★ مصنف ★

مولانا محمد فاروق صاحب ندوی

شام کے موجودہ حالات کا ایک مبصرانہ و ناقدانہ جائزہ، مایہ ناز شہر دمشق کے شب و روز گیارہ سال بعد

مصنف

کی دوسری بار حاضری کی مفصل روداد، اور اس وقت رونما ہونے والے حالات و واقعات کا تذکرہ، علمی و تاریخی مقامات

کی سیر، معلومات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ وہاں کے ماضی و حال کا جائزہ، سرگزشت کے افادی پہلو کے ساتھ سفرنامے و روزنامچے کی چاشنی کا ایک مرقع یہ سفرنامہ مفید بھی اور دلچسپ بھی۔

(عمدہ کتابت بہترین طباعت)

قیمت ۱۲/۰ روپئے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل

جامعۃ الصالحات بھٹکل

بھٹکل واطراف بھٹکل میں دردمندوں کے خواب کی تعبیر، بانی وناظم الحاج محی الدین منیری صاحب کی دیرینہ آرزو کی تکمیل بنات اسلام کے لئے

دینی تعلیم کا بندوبست، عصری تعلیم سے فراغت مسلم بچیوں کے لئے تعلیمات اسلام کا خصوصی نظم، اور سب سے بڑھ کر دینی تعلیم کا ایک قلعہ جس میں رہ کر محفوظ طریقہ سے خواتین اسلام زیور علم سے آراستہ ہوسکتی ہیں۔

بانی وناظم

محی الدین منیری

جامعۃ الصالحات، سلطانی محلہ، بھٹکل

شافعی فقہ (حصہ اول و دوم)

مصنف: مولانا محمد ایوب صاحب ندوی، استاذ فقہ وحدیث
جامعہ اسلامیہ بھٹکل

مدت سے ضرورت اس بات کی تھی کہ عام فہم اردو میں مدارس و مکاتب اور سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے طلبار کے لئے عقائد وعبادات و معاملات پر مشتمل ایک کتاب ہو جس کی حیثیت نہ ترجمہ کی ہو اور نہ زبان و بیان کے لحاظ سے اسمیں قدامت ہو۔ الحمد للہ یہ سعادت مولانا محمد ایوب صاحب ندوی کے حصہ میں آئی، اور اللہ نے یہ خدمت مولانا موصوف سے لی۔

مصنف کی کاوشوں کا نیتجہ ہے کہ جو ان کو فقہ شافعی کی مختلف کتابوں کی درس و تدریس کے بعد تجربات کی روشنی میں حاصل ہوئی۔

اس کتاب میں تمام مسائل فقہ وحدیث کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ چند سالوں کی مختصر مدت میں اسکے متعدد ایڈیشن ہندوپاک سے نکل چکے ہیں اور اب یہ کتاب مختلف دینی مدارس و ہائی اسکولوں میں داخلِ نصاب ہے۔

اس اعتبار سے یہ کتاب بیک وقت عوام وخواص دونوں حلقوں کے لئے یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ (معیاری کتابت اعلیٰ طباعت)

ملنے کا پتہ: دارالعلوم، بھٹکل۔ قیمت اول ۱۴/۰ روپیہ
دوم ۱۵/۰ ”

جامعہ اسلامیہ بھٹکل

سنہ ۱۹۶۲ء

میں چند مخلصین و دردمندوں کی کوششوں کا ثمرہ

اور جنوبی ہند میں علوم دینیہ و علوم عربیہ کا مرکزی ادارہ،

مختصر عرصہ میں سیکڑوں طلباء علماء اور حفاظ کی فراغت کا ایک ریکارڈ،

فروعات میں مسلک شافعی کا پابند، اور نصاب تعلیم عالم اسلام کی مشہور درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب پر مشتمل،

اس کے علاوہ عصری تقاضوں کے پیش نظر انگریزی، کنڑی، حساب، جغرافیہ و معاشیات کا بھی انتظام، ربع صدی میں نہ صرف بھٹکل بلکہ قرب و جوار کے علاقہ میں بڑی اہم قیمتی دینی و علمی خدمات انجام دینے والا ادارہ،

بھٹکل اگر ایک خوبصورت انگوٹھی تو جامعہ اسلامیہ اس کا نگینہ، ساحل سمندر نہایت پر فضا مقام اور وسیع قطعہ آراضی پر پھیلا ہوا جامعہ علوم دینیہ کی حفاظت کا غیبی انتظام، اور اس وقت فعال و متحرک منتظمین کی زیر نگرانی میں تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہے۔